فروری ۱۹۹۷ء

ایڈیٹر
سید مبشر احمد ایاز

مِلّت کے اِس فدائی پہ رحمت خدا کرے

حضرت مصلح موعود صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی

پیشگوئی مصلح موعود

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو خدا سے خبر پا کر جو ایک عظیم الشان صفات کے حامل فرزند ارجمند ـــــ مصلح موعود ـــــ کے بارے میں پیشگوئی شائع فرمائی اس کے الفاظ پیش خدمت ہیں:۔

"..... مَیں تجھے رحمت کا نشان دیتا ہوں اسی کے موافق جو تُو نے مجھ سے مانگا۔ سو مَیں نے تیری تضرعات کو سُنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایۂ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو ـــــ تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور فتح و ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اَے مظفر تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجے سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں اور تا دینِ .... کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے اور تا لوگ سمجھیں کہ مَیں قادر ہوں جو چاہتا ہوں سو کرتا ہوں اور تا وہ یقین لائیں کہ مَیں تیرے ساتھ ہوں اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفٰےؐ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کُھلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔

سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس رُوح دی گئی ہے اور وہ رِجس سے پاک ہے اور وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دُنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا .... دو شنبہ ہے مبارک دو شنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند۔ مظہر الاوّل والآخر مظہر الحق والعلاء کانّ اللہ نزل من السّماء جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسُوح کیا ہم اس میں اپنی رُوح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اُٹھایا جائے گا۔ وکان امرًا مقضیًا ...."

(اقتباس از اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء
بحوالہ مجموعہ اشتہارات جلد اوّل صفحہ ۱۰۱ تا صفحہ ۱۰۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد 45 شمارہ A

احمدی نوجوانوں کے لئے

قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

ماہنامہ **خالد** ربوہ

قارئین کی خدمت میں عید مبارک

تبلیغ 1376 ہش

فروری 1997ء

★★★★

ایڈیٹر:
سید مبشر احمد ایاز

فہرست مضامین

رابطہ آفس: دفتر ماہنامہ "خالد" دار الصدر جنوبی۔ ربوہ

قیمت۔/6 روپے ★ سالانہ۔/60 روپے

مینجر: مبارک احمد خالد

پبلشر: مبارک احمد خالد۔ پرنٹر: قاضی منیر احمد۔ مطبع: ضیاء الاسلام پریس۔ ربوہ

اداریہ

اِک کرشمہ اپنی قدرت کا دکھا

فروری کا مہینہ جماعت کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی تضرعات اور عاجزانہ دعاؤں کو قبولیت کا شرف بخشتے ہوئے آپ کو فتح و ظفر کی کلید عطا فرمائی۔ آپ کی تمام تر دعاؤں کو قبول فرماتے ہوئے نشان کے طور پر ایک عظیم صفات کے حامل بیٹے کی خوشخبری عطا فرمائی اور وہ بیٹا تین سال کے اندر ۹ جنوری ۱۸۸۹ء پیدا ہوا۔ جلد بڑھا۔ باون سال تک مسند خلافت پر متمکن رہا۔ قوموں نے اس سے برکت پائی۔ ہزاروں لاکھوں نے موت کے پنجہ سے رہائی پائی اور باطل اپنی تمام تر نحوستوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہونے پر مجبور ہوا اور حق اپنی تمام تر برکتوں کے ساتھ کامیاب و کامران ہوا۔

خدا تعالیٰ کے اس فضل اور رحمت کی یاد کو ہم خاص اس حوالے سے ذہن میں رکھتے ہوئے اس مہینے میں تازہ کرتے ہیں اور یہ سب باتیں ہمیں اس امر کی طرف توجہ دلاتی ہیں کہ وہ زندہ اور قادر خدا اب بھی ہے اور اب بھی ہمارے ساتھ ہے۔ وہ اب بھی ہماری دعائیں سن سکتا ہے اور ان کو قبولیت کا شرف عطا کر سکتا ہے۔ اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے اس مہینہ میں دعاؤں کی طرف خاص توجہ ہونی چاہئے اور اس سال کا یہ مہینہ ایک یہ بھی اہمیت رکھتا ہے کہ رمضان کا ایک حصہ اس کے اندر شامل ہے اور ۹۷ء کے اس سال کو ایک اور تاریخی اہمیت حاصل ہو رہی ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر اس رمضان کو فیصلہ کن رمضان بنانے کے لئے باطل کی تمام قوتوں کو ان کی نحوستوں سمیت بھاگنے پر مجبور کرنے کے لئے ایک عظیم الشان مباہلے کے چیلنج کو دوبارہ دہرایا ہے۔

FRIDAY THE 10TH------------- ۱۰ جنوری ۹۷ء کے خطبہ جمعہ کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں اپنی دعاؤں کو انتہاء تک پہنچانا ہوگا۔ اندھیری راتوں کو اپنے اشکوں کے دیپ سے روشن کرنا ہوگا اور ان اندھیری راتوں کی دعاؤں کے تیروں سے یہ جنگ جیتنا ہوگی۔ اس مبارک اور صد مبارک مہینہ میں یہ دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ ایک بار پھر اسی محبت اور شفقت کے ساتھ ہمارے پیارے امام کی دعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایہ قبولیت جگہ دے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے طفیل ایک بار پھر اسی رحمت کے نشان کو عطا کرے۔ فتح و ظفر کی کلید اس کے ہاتھوں میں تھمائے اور آج پھر جو پنڈت لیکھرام کی روح اور اس کی زبان اپنے اندر لئے ہوئے ہیں' خدا کے غضب کی تلوار ان پر چلے اور خدا ان کی خاک اڑا دے------- تا ایک بار پھر دین (حق!) کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے اور تا لوگ سمجھیں کہ وہ خدا قادر ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے اور تا وہ یہ بھی یقین کریں کہ وہ قادر مطلق ہمارے ساتھ ہے------- اے خدا تو ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین۔
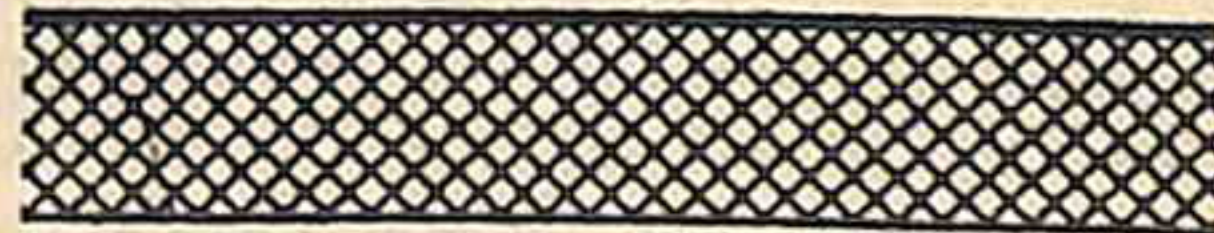
قارئین کی خدمت میں عید مبارک

ارشادِ نبویؐ

یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُلَہٗ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

"یَنْزِلُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اِلَی الْاَرْضِ یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُلَہٗ"

(مشکوۃ باب نزول عیسیٰ)

(ترجمہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف لائیں گے اور شادی کریں گے اور ان کو اولاد دی جائے گی۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر فرمایا کہ مسیح موعود شادی کریں گے۔ اور ان کے ہاں اولاد ہوگی۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایسا نیک بیٹا عطا کرے گا جو نیکی کے لحاظ سے اپنے باپ کے مشابہ ہوگا نہ کہ مخالف، اور وہ اللہ تعالیٰ کے معزز بندوں میں سے ہوگا"۔

(ترجمہ از عربی عبارت آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۷۸)

دیکھ لینا ایک دن خواہش بر آئے گی مری

ایک دل بے قرار کی دعائیں

شیخ غلام احمد صاحب واعظ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر دین حق میں داخل ہوئے تھے اور اخلاص اور ایمان میں ترقی کی کہ نہایت عابد و زاہد اور صاحب کشف و الہام بزرگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔

"ایک دفعہ میں نے ارادہ کیا کہ آج کی رات "بیت مبارک" میں گزاروں گا' اور تنہائی میں اپنے مولا سے جو چاہوں گا' مانگوں گا۔ مگر جب میں "بیت مبارک" میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی شخص سجدے میں پڑا ہوا ہے اور الحاح سے دعا کر رہا ہے۔ اس کے اس الحاح کی وجہ سے میں نماز بھی نہ پڑھ سکا۔ اور اس شخص کی دعا کا اثر مجھ پر بھی طاری ہو گیا۔ اور میں بھی دعا میں محو ہو گیا' اور میں نے دعا کی کہ یا الہیٰ! یہ شخص تیرے حضور سے جو کچھ بھی مانگ رہا ہے وہ اس کو دے دے اور میں کھڑا کھڑا تھک گیا کہ یہ شخص سر اٹھائے تو معلوم کروں کہ کون ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھ سے پہلے وہ کتنی دیر سے آئے ہوئے تھے۔ مگر جب آپ نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت میاں محمود احمد صاحب ہیں۔ میں نے السلام علیکم کہا اور مصافحہ کیا اور پوچھا میاں! آج اللہ تعالیٰ سے کیا کچھ لے لیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تو یہی مانگا ہے کہ الہیٰ! مجھے میری آنکھوں سے اسلام کو زندہ کر کے دکھا اور یہ کہہ کر آپ اندر تشریف لے گئے۔"

(سوانح فضل عمر جلد اول صفحہ ۱۵۱)

معارف الحدیث

از افاضات حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

عبادت کا دروازہ رمضان ہے

(مرتبہ: مکرم عبدالسمیع خان صاحب)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ بَابًا وَ بَابُ الْعِبَادَةِ الصِّيَامُ۔

(کنزالعمال جلد ۸ صفحہ ۴۴۷۔ حدیث ۲۳۵۸۶۔ کتاب الصوم من قسم الاقوال)

ترجمہ: ہر چیز کا ایک دروازہ ہوتا ہے اور عبادت کا دروازہ روزے ہیں۔

تشریح: سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

"حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ عبادت کا دروازہ رمضان ہے تو اس سے کیا مراد ہے کیا رمضان کے بغیر عبادت نہیں ہوتی۔ پانچ وقتہ نماز کا جو فرض ہے اس کے علاوہ بھی تو بہت سی عبادت ہے۔ تہجد کی نمازیں بھی ہیں۔ یہ سارا سال ہوتی رہتی ہیں تو صیام کو عبادت کا دروازہ کیوں فرمایا گیا۔ ایک تو یہ معنی ہے کہ عبادت کا وسیع تر مفہوم جس میں بندگی بھی شامل ہے جیسا رمضان سکھاتا ہے ویسا کوئی مہینہ نہیں سکھاتا۔ دوسرے یہ کہ رمضان کے وقت عبادت کے لئے ایسا جوش پیدا ہوتا ہے اور ایسی گرمی پیدا ہوتی ہے کہ حقیقت میں اگر عبادت کی لذت پانی ہو تو رمضان کے رستے سے داخل ہو پھر تمہیں یہ بات سمجھ آئے گی کہ عبادت کیا ہوتی ہے۔ پس یہ مفہوم ہے "عبادت کا دروازہ" ورنہ یہ مراد نہیں کہ رمضان کے بغیر عبادت نہیں ہو سکتی"۔

(خطبہ جمعہ ۲۶ جنوری ۹۶ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۱۵ مارچ ۹۶ء)

ایک اور خطبہ میں فرمایا:۔

"میں نے بیان کیا تھا رمضان مبارک ایک قسم کی عبادتوں کا معراج بن جاتا ہے۔ اس مضمون کو حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا "اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ بَابًا وَ بَابُ الْعِبَادَةِ الصِّيَامُ" ہر چیز کا ایک رستہ اور ایک دروازہ ہوا کرتا ہے اور عبادت کا دروازہ رمضان ہے۔ اگر رمضان میں تم عبادتوں میں داخل نہ ہوئے تو پھر کبھی نہیں ہو گے۔

اس کے بہت سے معانی ہو سکتے ہیں لیکن ایک معنی جو عام فہم اور روزمرہ ہمارے مشاہدے میں ہے وہ یہ ہے کہ جس کو

رمضان میں عبادت کی توفیق نہ ملے اسے سارا سال عبادت کی توفیق نہیں ملتی۔ پس یہ وقت ہے عبادت کرنے کا۔ یہ دروازہ کھلا ہے اس دروازے سے داخل ہوگے تو پھر آسمان کا دروازہ کھلے گا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ زمین کے دروازے تو بند رکھو اور اس رستے پر داخل ہو جاؤ جس کے آگے پھر آسمان کے دروازے لگے ہوئے ہیں۔ وہ بند ہوں یا کھلے ہوں پھر تمہیں اس سے کیا۔ پہلے اپنی زمین کے دروازے تو کھولو۔ پس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے پھر دروازوں کے حوالے سے ایک بات کی ہے۔ اس کے مفہوم کو سمجھو اور پہلی بات کے ساتھ اس کا تعلق جوڑو۔ دروازے تو کھلتے ہیں' کن کے لئے؟ رمضان میں جن کے اپنے دروازے عبادت کے لئے کھل جاتے ہیں اور رمضان ان کے لئے کھلا دروازہ بنتا ہے۔

اب رمضان کو دروازہ کہنے میں یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ کیوں رمضان میں بعض لوگ محروم ہو جاتے ہیں کیونکہ دروازہ کھلتا بھی ہے اور بند بھی ہو جاتا ہے۔ اس کو رستہ تو نہیں فرمایا دروازہ فرمایا ہے۔ فرمایا ہے عبادت کا دروازہ مگر جس پر کھلے گا وہی توفیق پائے گا۔ اگر بند دروازے سے کوئی ٹکرا کر یا اسے کھٹکھٹا کر واپس چلا گیا تو اس سے کیا فائدہ۔

پس رمضان میں اپنی عبادت کی طرف بھی توجہ کریں اور اپنے بچوں کی عبادت کی طرف' اپنے ہمسایوں کی عبادت کی طرف' اپنے گردو پیش میں عبادت کے مضمون کو بیان کریں اور عبادت ایک ایسی چیز ہے جس میں داخل ہو کر واپسی کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر عبادت میں ایک دفعہ آپ داخل ہو کر پھر باہر نکلنے کی کوشش کریں تے تو ساری عبادتیں رائیگاں جائیں گی بلکہ بعض اوقات پہلے سے بھی بد تر مقام تک پہنچ جائیں گے۔ عبادت کو پکڑ رہنا' عبادت پر صبر کرنا لازم ہے اور اس پہلو سے ایک بہترین موقع ہے دنیا کی تربیت کا۔ دنیا بھر میں جماعتوں کو بڑے مسائل میں سے ایک یہ مسئلہ درپیش ہے کہ بعض نوجوان جو نئی نسلوں کے پیدا ہونے والے ہیں' نئی نسلوں کے تربیت پانے والے ہیں ماحول کی کثافت اور گندگی سے متاثر ہوگئے ہیں' وہ عبادتیں چھوڑ بیٹھے ہیں اور اس ضمن میں صرف نوجوانوں کی بحث نہیں' بعض خواتین مجھے خط لکھ کر سب سے زیادہ درد یہ پیش کرتی ہیں کہ ہمارا خاوند ویسے ٹھیک ہے' سب کچھ ہے' ہمیں کوئی شکوہ نہیں مگر نماز نہیں پڑھتا تو اللہ تعالیٰ ان بدنصیبوں کے نصیب جگادے۔ ان کے مقدر روشن فرمائے۔ یہ عبادت تو ایک ایسی چیز ہے جس کے بغیر زندگی نہیں ہے۔ یہ تو روزمرہ کا سانس ہے' روزمرہ کا پانی ہے۔ اگر عبادت نصیب نہیں تو روحانی زندگی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ پھر خواہ دنیا کے لحاظ سے اچھا ہو' کیسا ہی ہو' دنیا میں (دین حق) سے باہر بھی تو اچھے اچھے لوگ نظر آتے ہیں۔ ہر مذہب نہیں بلکہ لامذہب لوگوں میں بھی بعض جگہ جہاں ملائیت زیادہ ہو وہاں لامذہب لوگوں میں زیادہ شرافت نظر آتی ہے۔ بہ نسبت ملائیت سے متاثر لوگوں کے۔ مگر اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ صرف اتنا ہے کہ ایسے لوگوں سے لوگوں کو شر نہیں پہنچتا وہ (دین حق) کا ایک پہلو اپنے اندر رکھتے ہیں لیکن خود امن میں نہیں آتے۔ خود امن میں آنا تو (دین حق) کے دوسرے پہلو سے تعلق رکھتا ہے۔ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ کہ جو اللہ کے لئے صاف اور ستھرا ہو کر اس کے حضور سر جھکادے تو اچھے لگتے ہیں یہ لوگ۔ دنیا کو ان سے کوئی شر نہیں پہنچتا۔ لیکن

بدنصیب ہیں کہ خود اس فیض سے محروم ہیں۔ (دین حق) کے اعلیٰ معنے میں داخل ہے۔ جن کا تعلق اللہ سے ہے اور اللہ کے حضور سر تسلیم خم کرنے سے ہے' اُس کے سپرد ہو جانے سے ہے۔ اس پہلو سے عبادت کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے۔ پس رمضان المبارک میں اپنی' اپنے گھر والوں کی' اپنے ماحول کی' جہاں جہاں تک آپ کی رسائی ہو اس پہلو سے تربیت کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو عبادتوں پر قائم رکھے اور عبادتوں کا ذوق عطا فرمائے اور اس مہینہ میں ایسی عادت پڑ جائے کہ پھر چھٹے نہیں۔

دیکھو بد لوگوں کو تو بعض دفعہ چند دن کی بدی سے عادت پڑ جاتی ہے۔ یہ جب ڈرگز (Drugs) کے متعلق ایک پروگرام آرہا تھا جس میں سکول کے بچوں سے پوچھا جا رہا تھا کہ بتاؤ تم پر کیا گزری۔ تمہیں آخر کیا سوجھی کہ جانتے بوجھتے ہوئے اس کی بدیوں کو پہنچانتے ہوئے تم نے ڈرگ اختیار کرلی۔ اس کے عادی بن گئے تو اکثر بچوں نے جواب دیا وہ یہی تھا کہ ہمیں نہیں پتہ تھا کہ ایک دفعہ استعمال کرنے سے ہی عادت پڑ جائے گی۔ ہمارے دوستوں نے جو بڑے تھے جو یہ کیا کرتے تھے ہمیں کہا کہ پہلے چکھ کے تو دیکھو ذرا تھوڑی سی ہے کیا فرق پڑتا ہے۔ اور دیکھا دیکھی اس عجوبے کے طور پر کہ دیکھیں کیا چیز ہے ایک دفعہ جب استعمال کی تو جب وہ اثر ختم ہوا تو دل میں ایک کرید سی لگ گئی کہ اور بھی دیکھیں کیا ہے اور پھر وہ چلتے چلتے ایسی بھوک بن گئی جس سے انسان تلملانے لگتا ہے اور جب تک اس بھوک کا پیٹ نہ بھرے اس وقت تک اس کو چین نصیب نہیں ہوتا تو بدیوں میں بھی تو لوگ چند دن میں عادت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

نیکی کو اگر اس طرح آپ اختیار کریں کہ اس کا لطف حاصل کرنے لگیں پھر آپ کو ضرور عادت پڑ جائے گی۔ پس عادت ڈالنی ہے تو اس کا دوسرا قدم بھی اٹھائیں اور عبادت سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کریں اور لوگوں کو اس کے طریقے سمجھائیں کہ کس طرح عبادت میں لطف اٹھایا جاتا ہے۔ ایک دفعہ جب میں نے عبادات کے مضمون پر سلسلہ شروع کیا تھا تو ایک خاتون نے مجھے لکھا کہ میرے بچے کو یہ سن سن کر پوری بات سمجھ آتی بھی نہیں تھی لیکن نماز کی عادت پڑ گئی۔ چھوٹا سا معصوم بچہ اور ضرور میرے ساتھ کھڑا ہو جاتا تھا اور سجدے کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ سجدے میں کچھ بول رہا تھا۔ میں نے کہا کیا ہے۔ کہتا تم سے نہیں بات کر رہا۔ میں اللہ میاں سے بات کر رہا ہوں۔ اب دیکھیں اس میں بھی لطف آتا تھا۔ تو کیوں آپ عقل والے ہو کر بڑے ہو کر عبادات اس طرح ادا نہیں کرتے کہ اس سے لطف آنا شروع ہو جائے اور یہ لطف بھی اللہ سے مانگنا ہوگا۔ پس اس مہینے عبادت پر قائم ہوں۔ اگر پہلے آپ کو لطف نہیں آتا اور صرف عادت ہے تو دعا مانگیں اور کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عبادت کا لطف عطا کرے پھر اپنے گھر والوں کے لئے یہ کوشش کریں کہ ان کے لئے بھی یہ دعا کریں کہ اے اللہ رمضان کے چند دن ہیں۔ گزر جائیں گے بعد میں ہم کہاں ٹکریں مارتے پھریں گے۔ وہ نیکیاں جو اب قریب آگئی ہیں۔ جنت قریب آنے کا یہ بھی تو مطلب ہے کہ نیکیاں آسان ہو گئی ہیں۔ پہنچ گئی ہیں۔ ہاتھ بڑھاؤ تو نیکی ہاتھ آسکتی ہے۔ ایسے وقت میں ہمیں نیکیاں عطا کردے اور ایسی عطا کر کہ پھر آکر جانے کا نام نہ لیں۔ ایک دفعہ آئے اور ہماری ہو کر رہ

جائے۔ اس پہلو سے نمازوں کو قائم کریں اور نمازوں کے لطف اٹھائیں اور اٹھانے کی کوشش کریں اور اپنے ماحول میں نمازوں کو قائم کریں کیونکہ سب سے زیادہ نحوست کسی قوم پر عبادت سے دوری ہے۔ مذہبی قوم کہلاتی ہو اور عبادت سے عاری ہو جائے تو کچھ بھی اس کا باقی نہیں رہتا اور وہ قومیں جو عبادت پر قائم ہوں اور اس کے مزاج سے عاری ہوں اس کے عرفان سے خالی ہوں ان کی زندگی بھی ویران رہتی ہے اور کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ اس لئے جماعت احمدیہ کو میں جس عبادت کی طرف بلا رہا ہوں وہ وہ ہے جو حضرت محمد ﷺ کی عبادت تھی۔ جس سے سینے ہی آباد نہیں ہوتے بلکہ اس کے گردوپیش روشن ہو جاتے ہیں۔ وہ ایسے لوگ بن جاتے ہیں جن کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے نُوْرُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ...... کہ ان کا نور ان کے سینوں سے باہر آکر ان کے آگے آگے چلتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی ہدایت کا موجب بنتا ہے۔ پس وہ تو سچی اور گہری عبادت سے حاصل ہو سکتا ہے ورنہ تو آنحضرت ﷺ نے اس زمانے ہی کے ذکر میں فرمایا کہ مَسَاجِدُھُمْ عَامِرَۃٌ وَھِیَ خَرَابٌ مِنَ الْھُدٰی ایسی مساجد بھی ہوں گی اس زمانے میں جو بھری ہوئی ہوں گی لیکن ہدایت سے خالی اور ویران۔ پس اپنی عبادتوں کو ہدایت سے خالی اور ویران نہ بننے دیں۔ بلکہ ہدایت سے پر کریں۔ پھر ان سے وہ نور نکلے گا جو آپ کے ماحول کو روشن کرے گا۔ آپ کے گردوپیش کو روشن کرے گا۔ آپ کو ترقی کے نئے راستے دکھائے گا۔ آپ کے آگے آگے چلے گا اور اس کے فیض سے پھر آپ دنیا کو بھی حقیقی عبادت کا ذوق عطا کرنے کی اہلیت حاصل کرلیں گے"۔

(خطبہ جمعہ ۱۸ فروری ۹۴ء بحوالہ مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل ۴ مارچ ۹۴ء)

بقیہ از صفحہ...... 14

علماء کو چیلنج کرتا ہوں کہ میرے مقابلہ میں قرآن کے کسی مقام کی تفسیر لکھیں اور جتنے لوگوں سے چاہیں اور جتنی تفسیروں سے چاہیں مدد لیں مگر خدا کے فضل سے پھر بھی مجھے فتح حاصل ہوگی"۔

("فرقان" قادیان اپریل ۱۹۴۴ء)

نیز فرمایا:۔

"میں دعویٰ کرتا ہوں کہ بے شک ہزار عالم بیٹھ جائیں اور قرآن مجید کے کسی حصہ کی تفسیر میں میرا مقابلہ کریں مگر دنیا تسلیم کرے گی کہ میری تفسیر ہی حقائق و معارف اور روحانیت کے لحاظ سے بے نظیر ہے"۔

پھر آپ نے جماعت احمدیہ کے ذریعہ غلبہ (دین حق) کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:۔

"میں خدا سے خبر پاکر اعلان کرتا ہوں کہ وہ پیشگوئی جس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں فرمایا تھا پوری ہوگئی ہے۔ خدا تعالیٰ نے رؤیا میں مجھے اطلاع دی کہ مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق میں ہی ہوں۔ میں خدائے واحد لاشریک لہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے کہ یہ رؤیا جس کا میں نے ذکر کیا ہے خدا تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے۔ میں نے خود نہیں سنایا۔ اگر میں اس بیان میں سچا ہوں اور آسمان اور زمین کا خدا شاہد ہے کہ میں سچا ہوں تو یاد رکھنا چاہئے کہ آخر ایک دن میرے اور میرے شاگردوں کے ذریعہ سے رسول کریم ﷺ کا نام ساری دنیا پڑھے گی اور ایک دن آئے گا جب ساری دنیا پر اسی بلکہ اس سے بھی زیادہ شان کے ساتھ (دین حق) کی حکومت قائم ہو جائے گی جیسا کہ پہلی صدیوں میں ہوئی تھی"۔

("فرقان" قادیان اپریل ۱۹۴۴ء)

دعا اور روزہ

دُعاؤں کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بڑھ کر ہے

(تحریر: سید مبشر احمد ایاز)

رمضان کا مہینہ دعاؤں کا مہینہ ہے اور دعا کے بارے میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے بڑے ہی دلنشین انداز میں ہمیں تعلیم دی ہے اور ہمیں اپنے تجربہ سے بتایا ہے کہ دعاؤں میں بڑی تاثیریں ہیں اور ہمارا خدا دعاؤں کو سنتا ہے۔ اس ضمن میں آپ کے کچھ ارشادات پیش خدمت ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:-

"میں اپنے ذاتی تجربہ سے بھی دیکھ رہا ہوں کہ دعاؤں کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بڑھ کر ہے"۔

(برکات الدعاء صفحہ ۱۰)

پھر فرمایا:-

"...... بڑی خوش قسمتی ہے کہ ان کا خدا دعاؤں کو سننے والا ہے"۔

(الحکم ۱۷ دسمبر ۱۹۰۲ء)

فرمایا:-

"میرا تو مذہب ہے کہ جو دعا اور اس کی قبولیت پر ایمان نہیں لاتا وہ جہنم میں جائے گا۔ وہ خدا ہی کا قائل نہیں ہے"۔ (الحکم ۱۷ دسمبر ۱۹۰۲ء)

پھر فرمایا:-

"دعا عمدہ شی ہے اگر توفیق ہو تو ذریعہ مغفرت کا ہو جاتی ہے اور اسی کے ذریعہ سے رفتہ رفتہ خدا تعالیٰ مہربان ہو جاتا ہے۔ دعا نہ کرنے سے اول زنگ دل پر چڑھتا ہے۔ پھر قساوت پیدا ہوتی ہے۔ پھر خدا سے اجنبیت، پھر عداوت پھر نتیجہ سلب ایمان ہوتا ہے۔ جو دعا سے منکر ہے وہ خدا سے منکر ہے۔ صرف ایک دعا ہی ذریعہ خدا شناسی کا ہے"۔

(البدر ۱۶/۸ مئی ۱۹۰۴ء)

ساری عقدہ کشائی دعا سے ہو جاتی ہیں"۔

(الحکم ۱۷ مارچ ۱۹۰۳ء)

فرمایا:-

"دعا تو ایک ایسی چیز ہے جو ہر مشکل کو آسان بنا دیتی ہے۔ دعا کے ساتھ مشکل سے مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے۔ لوگوں کو دعا کی قدر و قیمت معلوم نہیں۔ وہ بہت جلد ملول ہو جاتے ہیں اور ہمت ہار کر چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ دعا ایک استقلال اور مداومت کو چاہتی ہے......"۔ (الحکم ۲۴ اپریل ۱۹۰۴ء)

فرمایا:-

"جب تو دعا کیلئے کھڑا ہو تو تجھے لازم ہے کہ یہ یقین رکھے کہ تیرا خدا ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ تب تیری دعا منظور ہوگی اور تو خدا کی قدرت کے عجائبات دیکھے گا"۔ کشتی نوح صفحہ ۱۹)

فرمایا:-

"دعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور نعمتوں کا اظہار ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا قادر ہے کہ مشکلات کو حل کر دیتا ہے۔ غرض دعا بڑی دولت اور طاقت ہے اور قرآن شریف میں جا بجا اس کی ترغیب دی ہے...... انبیاء کی زندگی کی جڑ اور ان کی

کامیابیوں کا اصل اور سچا ذریعہ یہی دعا ہے۔ پس میں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی ایمانی اور عملی طاقتوں کو بڑھانے کے واسطے دعاؤں میں لگے رہو۔ دعاؤں کے ذریعے ایسی تبدیلی ہو گی جو خدا کے فضل سے خاتمہ بالخیر جاوے گا"۔ (الحکم ۱۷ جنوری ۱۹۰۵ء)

فرمایا:۔

"دعا جو معرفت کے بعد اور فضل کے ذریعہ سے ہوتی ہے وہ اور رنگ اور کیفیت رکھتی ہے۔ وہ فنا ہونے والی چیز ہے۔ وہ گداز کرنے والی آگ ہے۔ وہ رحمت کو کھینچنے والی ایک مقناطیسی کشش ہے۔ وہ موت ہے پر آخر کو زندہ کرتی ہے۔ وہ ایک تند سیل ہے جو آخر کو کشتی بن جاتی ہے۔ ہر ایک بگڑی ہوئی بات اس سے بن جاتی ہے اور ہر ایک زہر آخر اس سے تریاق ہو جاتا ہے"۔ (لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۲۶)

"دعا ایسی شے ہے کہ جن امراض کو اطباء اور ڈاکٹر لاعلاج کہہ دیتے ہیں ان کا علاج بھی دعا کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے"۔

(البدر ۲۰ اپریل ۱۹۰۵ء)

اسی طرح فرمایا:۔

میرا مذہب بیماریوں کے دعا کے ذریعہ سے شفا کے متعلق ایسا ہے کہ جتنا میرے دل میں ہے اتنا میں ظاہر نہیں کر سکتا۔ طبیب ایک حد تک چل کر ٹھہر جاتا ہے اور مایوس ہو جاتا ہے مگر اس کے آگے خدا دعا کے ذریعہ سے راہ کھول دیتا ہے"۔ (الحکم ۱۰ جولائی ۱۹۰۵ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:۔

"دعا میں اس قدر اثر ہے کہ اگر کوئی کہے کہ دعا سے پہاڑ چل پڑتا ہے تو میں اسے یقین کروں گا اور اگر کوئی یہ کہے کہ دعا سے درخت نقل مکانی کر جاتا ہے تو میں اسے سچ مانوں گا...... یہی تو وہ چیز ہے جو انسان کی رسائی خدا تعالیٰ تک کرا دیتی ہے"۔

(سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۲۳ روایت نمبر ۴۹۹)

پھر فرمایا:۔

"دعا خدا سے آتی ہے اور خدا کی طرف خاص جاتی ہے۔ دعا سے خدا ایسا نزدیک ہو جاتا ہے جیسا کہ تمہاری جان تم سے نزدیک ہے......" (لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۲۷)

غیر ممکن کو یہ ممکن میں بدل دیتی ہے

فرمایا:۔

"دعا ایسی چیز ہے کہ خشک لکڑی کو بھی سرسبز کر سکتی ہے۔ اور مردہ کو زندہ کر سکتی ہے۔ اس میں بڑی تاثیریں ہیں۔ جہاں تک قضاء و قدر کے سلسلہ کو اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے کوئی کیسا بھی معصیت میں غرق ہو دعا اس کو بچا لے گی"۔....(الحکم ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء)

رمضان کے برکتوں والے مہینے سے دعا کو ایک گہرا تعلق ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جب روزوں کی فرضیت اور اس کے احکام نازل فرمائے تو ساتھ ہی فرمایا کہ:۔

وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (البقرہ)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ بھی اسی آیت کریمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور رمضان کی اہمیت اور دعاؤں کے گہرے ربط کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"رمضان کا مہینہ مبارک مہینہ ہے دعاؤں کا مہینہ ہے"

(الحکم ۲۴ جنوری ۱۹۰۱ء)

حضرت خلیفہ المسیح الاول بھی فرماتے ہیں:۔

" روزہ جیسے تقویٰ سیکھنے کا ایک ذریعہ ہے ویسے ہی قرب الٰہی حاصل کرنے کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان کا ذکر فرماتے ہوئے یہ بھی بیان کیا ہے۔

وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ

یہ رمضان کی ہی شان میں فرمایا گیا ہے اور اس سے اس ماہ کی عظمت اور سر الٰہی کا پتہ لگتا ہے۔ اگر اس ماہ میں دعائیں مانگیں تو میں

قبول کروں گا۔ "لعلھم یرشدون" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ کو دعا سے خاص تعلق ہے اور اس کے ذریعہ خدا پر ایمان اس کے احکام کی اتباع اور دعا کو قرار دیا ہے اور یہی باتیں ہیں جن سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے"۔

(مجموعہ فتاویٰ احمدیہ جلد اول صفحہ ۱۸۲)

دعا اور روزے کا آپس میں جو گہرا تعلق ہے۔ اس کے ضمن میں ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاء و صلحاء عموماً بڑے التزام کے ساتھ روزے رکھا کرتے تھے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چالیس دن تک روزے رکھنا جب وہ طور پر تشریف لے گئے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی چالیس روزے رکھنا اور ایسا ہی بعض روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر ماہ تین دن روزہ رکھا کرتے تھے۔

انبیاء، اولیاء و صلحاء کی اسی سنت کی پیروی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی چھ ماہ کے روزے رکھے۔ دعا اور روزے کے ایک اور تعلق کا ذکر انجیل میں بھی حضرت مسیح کے فرمان کے مطابق ہمیں یوں ملتا ہے کہ جب یسوع کے شاگرد ایک مریض کو شفا نہ دے سکے تو مسیح نے اس کو شفا دی اس کا تذکرہ انجیل میں یوں ہے:۔

"تب شاگردوں نے علیحدگی میں یسوع کے پاس آکر کہا ہم اس کو کیوں نہ نکال سکے؟ یسوع نے ان سے کہا اپنی کم اعتقادی کے باعث، کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم میں رائی کے برابر بھی اعتقاد ہوگا تو تم اس پہاڑ سے کہو گے کہ یہاں سے وہاں چلا جا تو وہ چلا جائے گا اور کوئی بات تمہارے لئے ناممکن نہ ہوگی۔ مگر یہ جنس دعا اور روزے کے بغیر نہیں نکلتی"۔ (متی باب ۱۷ آیت ۲۰۔۲۱)

دعاؤں کی تاثیر اور اس کی عظمتوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اب ہم دیکھتے ہیں کہ روزہ دار کی دعا کا مقام خدا کے نزدیک کیسا عظیم ہے اور اس کی دعائیں کس طرح شرف قبولیت پاتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روزہ دار کیلئے اس کی افطاری کے وقت ایک دعا ایسی ہے جو رد نہیں کی جاتی۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں حضرت ابوھریرہؓ کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

"تین اشخاص کی دعا کبھی رد نہیں کی جاتی۔ ایک امام عادل کی دعا، دوسرے روزہ دار کی دعا۔ یہاں تک کہ وہ افطار کرے۔ ان دعاؤں کیلئے آسمانوں کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری عزت کی قسم (اے دعا کرنے والے) میں تیری مدد کروں گا۔ خواہ کچھ وقت کے بعد ہی کیوں نہ ہو"۔ (ابن ماجہ)

پس اس مبارک مہینہ میں اپنے روزوں کو اپنی دعاؤں سے سجانا ہوگا۔ اپنے آنسوؤں سے ان روزوں کو تر رکھنا ہوگا اور خدا کے حضور گڑگڑاتے ہوئے اپنے دلوں کی پیاس کو بجھانا ہوگا۔ بہت مناسب ہے کہ ان مبارک گھڑیوں میں ہمیں حضرت مسیح موعود کی بتائی ہوئی یہ دعا بھی کرنی چاہئے۔ فرمایا۔

"پس میرے نزدیک خوب ہے کہ انسان دعا کرے کہ الٰہی یہ تیرا مبارک مہینہ ہے اور میں اس سے محروم رہا جاتا ہوں اور کیا معلوم کہ آئندہ سال زندہ رہوں یا فوت شدہ روزوں کو ادا کر سکوں یا نہ اور اس سے توفیق طلب کرے۔ تو مجھے یقین ہے کہ ایسے دل کو خدا تعالیٰ طاقت بخش دے گا"۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۲۸۸)

دعاؤں کے اس عظیم اور سنہری موقعہ سے ہمیں فائدہ اٹھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑنی چاہئے اور روزں کا عظیم مقصد یہ ہے کہ "لقاء الٰہی" اس کی صدا ہم اپنے دل میں محسوس کریں۔ "انی قریب" کی دلربا آواز کانوں سے ٹکراتی ہوئی محسوس ہو۔ اس مبارک گھڑی اور مبارک مقصد کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضرت مصلح موعود.... فرماتے ہیں:۔

"اسی طرح دعا کے قبول ہونے کے اوقات بھی ہیں لیکن وہ ظاہری سامانوں کی حد بندیوں کے نیچے نہیں ہوتے بلکہ وہ انسانی قلوب کی خاص حالتوں اور کیفیات سے تعلق رکھتے ہیں جنہیں وہی انسان محسوس کر سکتا ہے جس پر وہ حالت وارد ہو۔ مگر دعا کی

قبولیت کا ایک اور وقت بھی ہے جس کے معلوم کرنے کیلئے باریک قلبی کیفیات سے واقف ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی اور وہ وقت رمضان کا مہینہ ہے۔ یہ آیت خدا تعالیٰ نے روزوں کے ساتھ بیان کی ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ اس کا روزوں سے بہت گہرا تعلق ہے اور اس کے روزوں کے ساتھ بیان کرنے کی وجہ یہی ہے کہ ماہ رمضان میں .... توجہ خدا تعالیٰ کی طرف ہو جاتی ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی پھیلی ہوئی چیز محدود ہو جائے۔ تو اس کا زور بہت بڑھ جاتا ہے۔ جیسے دریا کا پاٹ جہاں تنگ ہوتا ہے وہاں پانی کا بڑا زور ہوتا ہے۔ اسی طرح رمضان کے مہینے میں وہ اسباب پیدا ہو جاتے ہیں جو دعا کی قبولیت کا باعث بنتے جاتے ہیں۔ اس مہینہ میں .... ایک بہت بڑی جماعت ایسی ہوتی ہے جو راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی ہے۔ پھر سحری کیلئے سب کو اٹھنا پڑتا ہے اور اس طرح ہر ایک کو کچھ نہ کچھ عبادت کا موقع مل جاتا ہے۔ اس وقت لاکھوں انسانوں کی دعائیں جب خدا تعالیٰ کے حضور پہنچتی ہیں تو خدا تعالیٰ ان کو رد نہیں کرتا بلکہ ان کو قبول فرماتا ہے۔ اس وقت مومنوں کی جماعت ایک کرب کی حالت میں ہوتی ہے۔ پھر کس طرح ممکن ہے کہ ان کی دعا قبول نہ ہو......

پس رمضان کا مہینہ دعاؤں کی قبولیت کے ساتھ نہایت گہرا تعلق رکھتا ہے۔ یہی وہ مہینہ ہے جس میں دعا کرنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے "قریب" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اگر وہ قریب ہونے پر بھی نہ مل سکے تو اور کب مل سکے گا"۔

(تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۴۰۹)

پس آج ہر احمدی کو اس رمضان کو فیصلہ کن رمضان بنانا ہوگا۔ اور رمضان کی دعاؤں کے ذریعہ آج کی دنیا کے دکھوں کا علاج کرنا ہوگا اور "دین حق" کو غالب کرنا ہے تو یہ دعائیں ہی ہیں جن کے ذریعہ ہم غالب آئیں گے کیونکہ خدا کی طرف سے ہمیں یہی ایک ہتھیار دیا گیا ہے۔

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

"خوب یاد رکھو کہ دعا وہ ہتھیار ہے جو اس زمانہ کی فتح کیلئے مجھے آسمان سے دیا گیا اور اے میرے دوستوں کی جماعت! تم صرف اسی حربہ سے غالب آسکتے ہو۔ تمام نبیوں نے اول سے آخر تک اس ہتھیار کی خبر دی ہے اور سب نے فرمایا کہ مسیح موعود دعا اور بارگاہ رب العزت میں تضرعات کے ذریعہ سے ہی فتح حاصل کرے گا"۔ (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۸۰)

تصحیح

دسمبر کے شمارہ میں صفحہ 20 کالم نمبر2 میں سورۃ الجمعہ کی آیت نمبر3 درج کی گئی تھی وہ اس طرح ہے۔

"هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ...... الخ"

وہی ہے جس نے امیوں میں رسول بھیجا وہ انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے انہیں پاک کرتا ہے اور کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ کے پُرشوکت اعلانات

حضرت مصلح موعود کے دعویٰ مصلح موعود کے بعد ہوشیار پور' لاہور' لدھیانہ اور دہلی میں عظیم الشان جلسے منعقد ہوئے۔ جن میں حضرت مصلح موعود نے مصلح موعود کے ظہور کے بارہ میں تقاریر فرمائیں۔ حضرت مصلح موعود کی ان تقاریر کے بعض اقتباس ہدیہ قارئین کئے جاتے ہیں۔

(ادارہ)

جلسہ مصلح موعود ہوشیار پور

"میں ہوشیار پور کی ایک ایک اینٹ کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ یہ سلسلہ دنیا میں پھیل کر رہے گا۔ اگر لوگوں کے دل سخت ہوں گے تو فرشتے ان کو اپنے ہاتھ سے ملیں گے یہاں تک کہ نرم ہو جائیں گے اور ان کے لئے احمدیت میں داخل ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ جسے خدا نے بھیجا ہے اس پر لوگ ایمان نہ لائیں مگر مبارک ہیں وہ جو اب ایمان لاتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ جو خدا کی آواز کو سنتے اور اس پر لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں کیونکہ جو شخص خدا کے مامور کی آواز کو سنتا ہے وہ درحقیقت خدا کی آواز کو سنتا ہے اور جو شخص خدا تعالیٰ کے مامور کی آواز کو رد کرتا ہے وہ درحقیقت خدا تعالیٰ کی آواز کو رد کرتا ہے۔ پس بڑی ہی بدقسمتی ہوگی اگر لوگ ایمان نہ لائیں اور خدا کے اس مامور کو قبول نہ کریں جو خدا نے ان کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا"۔

اس کے بعد حضور اس کمرہ میں تشریف لے گئے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۸۸۶ء میں چلہ کشی فرمائی تھی اور قبلہ رو دوزانو بیٹھ کر دین حق کی ترقی اور اس کی شان و شوکت کے لئے پرزور دعا کی۔ (الفضل ۱۹ فروری ۱۹۶۰ء)

جلسہ مصلح موعود۔ لاہور

جلسہ لاہور میں سیدنا حضرت مصلح موعود نے خدائے واحد و قہار کی قسم کھا کر نہایت پر شوکت الفاظ میں اعلان فرمایا:۔

"آج میں اس جلسہ میں اس واحد و قہار خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے اور جس پر افتراء کرنے والا اس کے عذاب سے کبھی نہیں بچ سکتا کہ خدا نے مجھے اس شہر لاہور میں نمبر ۱۳ ٹمپل روڈ پر شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کے مکان میں یہ خبر دی کہ میں ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں جس کے ذریعے (دین حق) دنیا کے کناروں تک پہنچے گا اور توحید دنیا میں قائم ہوگی"۔

اسی جلسہ میں جماعت احمدیہ کی عظیم الشان قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"خدا نے مجھے وہ تلواریں بخشی ہیں جو کفر کو ایک لحظہ میں کاٹ کر رکھ دیتی ہیں۔ خدا نے مجھے وہ دل بخشے ہیں جو میری آواز پر ہر قربانی کے لئے تیار ہیں۔ میں انہیں سمندر کی گہرائیوں میں چھلانگ لگانے کے لئے کہوں تو وہ سمندر میں چھلانگ لگانے کے لئے تیار ہیں۔ میں انہیں پہاڑوں کی چوٹیوں سے اپنے آپ کو گرانے کے لئے کہوں تو وہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے اپنے آپ کو گرا دیں۔ میں انہیں جلتے ہوئے تنوروں میں کود جانے کا حکم دوں تو وہ جلتے ہوئے تنوروں میں کود کر دکھا دیں۔ اگر خودکشی حرام نہ ہوتی۔ اگر خودکشی (دین حق) میں ناجائز نہ ہوتی تو اس وقت میں تمہیں یہ نمونہ دکھا سکتا تھا کہ جماعت کے سو آدمیوں کو میں اپنے پیٹ میں خنجر مار کر ہلاک ہو جانے کا حکم دیتا اور وہ سو آدمی اسی وقت اپنے پیٹ میں خنجر مار کر مرجاتا۔ خدا نے ہمیں (دین حق) کی تائید کے لئے کھڑا کیا ہے۔ خدا نے ہمیں محمد رسول اللہ ﷺ کا نام بلند کرنے کے لئے کھڑا کیا ہے"۔

(الفضل مصلح موعود نمبر۔ ۱۸ فروری ۱۹۵۸ء)

اے اہل لاہور

آپ نے اپنی اختتامی تقریر میں فرمایا:۔

"اے اہل لاہور میں تم کو خدا کا پیغام پہنچاتا ہوں۔ میں تمہیں اس ازلی ابدی خدا کی طرف بلاتا ہوں جس نے تم سب کو پیدا کیا۔ تم مت سمجھو کہ اس وقت میں بول رہا ہوں اس وقت میں نہیں بول رہا بلکہ خدا میری زبان سے بول رہا ہے۔ میرے سامنے دین (حق) کے خلاف جو شخص بھی اپنی آواز بلند کرے گا اس کی آواز کو دبا دیا جائے گا۔ جو شخص میرے مقابلہ میں کھڑا ہو گا وہ ذلیل کیا جائے گا۔ وہ رسوا کیا جائے گا۔ وہ تباہ اور برباد کیا جائے گا۔ مگر خدا بڑی عزت کے ساتھ میرے ذریعہ (دین حق) کی ترقی اور اس کی تائید کے لئے ایک عظیم الشان بنیاد تعمیر کر دے گا۔ میں ایک انسان ہوں۔ میں آج بھی مر سکتا ہوں اور کل بھی مر سکتا ہوں لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ میں اس مقصد میں ناکام رہوں جس کے لئے خدا نے مجھے کھڑا کیا ہے...... اگر دنیا کسی وقت دیکھ لے کہ (دین حق).... مغلوب ہو گیا۔ اگر دنیا کسی وقت دیکھ لے کہ میرے ماننے والوں پر میرے انکار کرنے والے غالب آ گئے تو بے شک سمجھ لو کہ میں ایک مفتری تھا لیکن اگر یہ خبر سچی نکلی تو تم خود سوچ لو کہ تمہارا کیا انجام ہو گا کہ تم نے خدا کی آواز میری زبان سے سنی اور پھر بھی اسے قبول نہ کیا"۔

(الفضل مصلح موعود نمبر۔ ۱۸ فروری ۱۹۵۸ء)

جلسہ مصلح موعود لدھیانہ

جلسہ لدھیانہ کے موقع پر اہل لدھیانہ نے سخت مخالفت کی۔ جلسہ کو رکوانے کے لئے مظاہرے کئے گئے۔ نیز جلسہ کو درہم برہم کرنے اور ناکام کرنے کی پوری کوشش کی گئی۔ اس موقع پر حضور نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اس وقت جلسہ میں لدھیانہ کے لوگ غالباً بہت کم ہوں گے۔ زیادہ تر بیرونی لوگ ہیں۔ لیکن اگر یہاں ایک بھی لدھیانہ کا شخص ہے تو میں اس کے ذریعہ اہل لدھیانہ کو پیغام دیتا ہوں کہ اے لدھیانہ کے لوگو! تم نے میری مخالفت کی اور میں تمہارے لئے دعا کرتا ہوں۔ تم نے میری موت کی خواہش کی مگر میں تمہاری زندگی کا خواہاں ہوں کیونکہ میرے سامنے میرے آقا محمد ﷺ کی مثال ہے۔ آپ جب طائف میں تبلیغ کے لئے گئے تو شہر کے لوگوں نے آپ کو پتھر مارے اور لہولہان کر کے شہر سے نکال دیا۔ آپؐ زخمی ہو کر واپس آ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ آپؐ کے پاس آیا اور اس نے کہا اگر آپؐ فرمائیں تو اس شہر کو الٹا کر رکھ دوں مگر میرے آقا محمد مصطفےٰ ﷺ نے' میرے ماں باپ' میری جان' میرے جسم اور روح کا ذرہ ذرہ آپؐ پر قربان ہو فرمایا کہ نہیں ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ یہ لوگ ناواقف تھے' نادان تھے' اس لئے انہوں نے مجھے تکلیف دی۔ اگر یہ لوگ تباہ کر دئے گئے تو ایمان کون لائے گا؟۔

سو اے اہل لدھیانہ! جنہوں نے میری موت کی تمنا کی میں تمہارے لئے زندگی کا پیغام لایا ہوں۔ ابدی زندگی اور دائمی زندگی کا پیغام۔ ایسی ابدی زندگی کا پیغام جس کے بعد فنا نہیں اور کوئی موت نہیں۔ میں تمہارے لئے خدا کی رضا کا پیغام لایا ہوں۔ جسے حاصل کرنے کے بعد انسان کے لئے کوئی دکھ نہیں رہتا اور مجھے یقین ہے کہ آج کی مخالفت کل دلوں کو ضرور کھولے گی اور دنیا دیکھے گی کہ یہ شہر انشاء اللہ تعالیٰ خدا کے نور سے منور ہو گا اور میرے کام میں میرا ممد و معاون بنے گا۔ میں خدا تعالیٰ سے یہی دعا کرتا ہوں اور اس کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ ایسا ضرور ہو کر رہے گا"۔

(الفضل ۱۸ فروری ۱۹۵۹ء)

جلسہ مصلح موعود دہلی

اس موقع پر سیدنا المصلح الموعود نے علماء کو چیلنج دیتے ہوئے فرمایا:۔

"حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی جس پیشگوئی کے پورا ہونے کا ذکر میں اس وقت کرنا چاہتا ہوں اور جو مصلح موعود کے متعلق ہے اس وقت ایک علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ظاہری اور باطنی علوم سے پر کیا جائے گا اور یہ ایسی واضح علامت ہے کہ اسے باسانی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ میں' جسے خدا تعالیٰ نے اس پیشگوئی کا مصداق قرار دیا ہے تمام

بقیہ صفحہ......8 پر

حضرت مصلح موعود کا عشقِ رسولؐ

❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀

خدا تعالیٰ قادر ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ عرب کے ریگستان میں ایک یتیم بچہ پیدا ہوا۔ دودھ پلانے والی دائیوں نے اسے لے جانا پسند نہ کیا۔ پھر ایک دائی نے کہ جسے اور کوئی بچہ نہ مل سکا تھا اسے لے لیا۔ وہ بکریاں چراتا رہا اور ذرا بڑا ہوا تو ماں اور دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ چچا سرپرست بنا۔ یہ بچہ تنہائی پسند تھا۔ مکہ کے قریب ایک غار میں چلا جاتا' پہروں بیٹھا رہتا اور نہ جانے کیا سوچتا رہتا۔ پھر ایک دن یہ غار کی تنہائیوں سے اتر کر قوم کے پاس آیا اور کہا کہ خدا نے مجھے تمہاری اور ساری دنیا کی اور آنے والی ساری قوموں اور ساری نسلوں کی ہدایت کا موجب بنایا ہے۔ اور کہا ہے کہ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّلَدِہٖ وَ وَالِدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (بخاری و مسلم) یعنی تم میں سے کوئی مومن ہو نہیں سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنے باپ اپنی اولاد اور دیگر تمام بنی نوع انسان سے بڑھ کر محبوب نہ رکھے۔

آج اس بات کو گزرے چودہ سو برس ہو گئے لیکن کسی ماں نے ایسا لال نہیں جنا جو اس عظیم انسان حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو جھٹلانے کی جرات کر سکے۔ ولی آئے اور نیک خدا رسیدہ لوگ آئے اور لاکھوں کی تعداد میں آئے لیکن وہ سب کے سب اسی کی غلامی کا دم بھرنے والے تھے۔

آج جس ولی کا ذکر مطلوب ہے وہ ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو قادیان میں پیدا ہوا۔ جلد جلد بڑھا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائی۔ لاکھوں ہی لوگوں نے اس کی غلامی میں خدا کو پایا اور یہ سب کچھ اس لئے اور صرف اس لئے ہوا کہ وہ اپنے عہد کا بہت بڑا عاشق رسولؐ تھا اور ایسا ہونا تھا بھی ضروری کیونکہ پیشگوئی میں کہا گیا تھا کہ:۔

"اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا کے دین اور اس کتاب اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے"

چنانچہ حضرت مصلح موعود کو جو کچھ بھی عطا ہوا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے طفیل حاصل ہوا۔ خود فرماتے ہیں کہ

محمدؐ میرے تن میں مثل جاں ہے
یہ ہے مشہور' جاں ہے تو جہاں ہے

نیز فرماتے ہیں:۔

"خدا نے مجھے اس غرض کیلئے کھڑا کیا ہے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے نام کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں اور (دین حق) کے مقابلہ میں دنیا کے تمام باطل ادیان کو ہمیشہ کی شکست دے دوں۔ دنیا زور لگالے۔ وہ اپنی تمام طاقتوں اور جمعیتوں کو اکٹھا کر لے۔ عیسائی بادشاہ بھی اور ان کی حکومتیں بھی مل جائیں۔ یورپ بھی اور امریکہ بھی اکٹھا ہو جائے۔ دنیا کی تمام بڑی بڑی مالدار اور طاقتور قومیں اکٹھی ہو جائیں اور وہ مجھے اس مقصد میں ناکام کرنے کیلئے متحد ہو جائیں۔ پھر بھی خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ میرے مقابلے میں ناکام رہیں گی اور خدا میری دعاؤں اور تدابیر کے سامنے ان کے تمام منصوبوں اور مکروں اور فریبوں کو ملیا میٹ کر دے گا اور خدا میرے ذریعہ سے یا میرے شاگردوں اور اتباع کے ذریعہ سے اس پیشگوئی کی صداقت ثابت کرنے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے طفیل اور صدقے (دین حق) کی عزت کو قائم کرے گا اور اس وقت تک دنیا کو نہیں چھوڑے گا جب تک (دین حق) پھر اپنی پوری شان کے ساتھ دنیا میں قائم نہ ہو جائے اور جب تک محمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر دنیا کا نبی تسلیم نہ کر لیا جائے"۔ (تقریر جلسہ سالانہ 1944ء)

نصف صدی سے زیادہ تک (دین حق) کا یہ بطل جلیل مسند خلافت پر رونق افروز رہا اور اس دوران دشمنان اسلام نے کئی بار اپنی نادانی اور شرارت سے آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی۔ کبھی "ورتمان" اخبار میں ناپاک مضمون چھپے تو کبھی "رنگیلا رسول" قسم کی دلوں کو چھلنی کرنے والی کتابیں شائع کی گئیں۔ حضرت خلیفہ المسیح الثانی کا دل یہ سب کچھ دیکھ کر خون ہو جاتا اور آپ اپنے محبوب اور سب کے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عزت اور ناموس کے دفاع کیلئے سینہ سپر ہو جاتے۔ یہ فرض کبھی تحریرات کے ذریعہ ادا ہوتا اور کبھی عملی اقدام کے تحت جلسے وغیرہ کروا کے۔ جلسہ ہائے "سیرت النبی" اور یوم پیشوایان مذاہب" کا قیام اسی ذیل کی کڑیاں ہیں۔ آپ کے ان کارناموں کی تفصیل بہت طویل ہے۔ ایک مختصر سی جھلک پیش خدمت ہے۔

ہندو اخبار "ورتمان" کا جواب

1927ء میں ہندو اخبار "ورتمان" میں ایک مضمون "سیر دوزخ" کے نام سے شائع ہوا اور اس بد قسمت نادان دشمن اسلام نے تمام پاکوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کر کے اپنا نامہ اعمال سیاہ کر لیا۔ حضرت خلیفہ المسیح الثانی نے ایک بیان پوسٹر کی شکل میں طبع کروا کے ایک ہی رات میں ملک کے طول و عرض میں چسپاں کروا دیا۔ اس میں فرمایا کہ:۔

"کیا اس سے زیادہ اسلام کیلئے کوئی اور مصیبت کا دن آ سکتا ہے؟ کیا ہمارے ہمسایوں کو یہ معلوم نہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ کو اپنی ساری جان اور سارے دل سے پیار کرتے ہیں اور ہمارے جسم کا ذرہ ذرہ اس پاکبازوں کے سردار کی جوتیوں کی خاک پر بھی فدا ہے۔ اگر وہ اس امر سے واقف ہیں تو پھر اس قسم کی تحریرات سے سوائے اس کے اور کیا غرض ہو سکتی ہے کہ ہمارے دلوں کو زخمی کیا جائے اور ہمارے سینوں کو چھیدا جائے اور ہماری ذلت اور بے بسی کو نہایت بھیانک صورت میں ہماری آنکھوں کے سامنے لایا جائے اور ہم پر یہ ظاہر کیا جائے کہ مسلمانوں کے احساسات کی ان لوگوں کو اس قدر بھی پرواہ نہیں جس قدر کہ ایک امیر کبیر کو ایک ٹوٹی پھوٹی جوتی کی ہوتی ہے۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا مسلمانوں کو ستانے کیلئے ان لوگوں کو کوئی اور راستہ نہیں ملتا۔ ہماری جانیں حاضر ہیں۔ ہماری اولادوں کی جانیں حاضر ہیں۔ جس قدر چاہیں ہمیں دکھ دے لیں لیکن خدا را نبیوں کے سردار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے کر آپ کی ہتک کر کے اپنی دنیا اور آخرت کو تباہ نہ کریں کہ اس ذات بابرکات سے ہمیں اس قدر تعلق اور وابستگی ہے کہ اس پر حملہ کرنے والوں سے ہم کبھی صلح نہیں کر سکتے۔ ہماری طرف سے بار بار کہا گیا ہے اور میں پھر دوبارہ ان لوگوں کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہماری جنگل کے درختوں اور بن کے سانپوں سے صلح ہو سکتی ہے لیکن ان لوگوں سے ہرگز صلح نہیں ہو سکتی جو رسول ﷺ کو گالیاں دینے والے ہیں۔ بے شک وہ قانون کی پناہ میں جو چاہیں کر لیں اور پنجاب ہائی کورٹ کے تازہ فیصلہ کی آڑ میں جس قدر چاہیں ہمارے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے لیں لیکن وہ یاد رکھیں کہ گورنمنٹ کے قانون سے بالا اور قانون بھی ہے اور وہ خدا کا بنایا ہوا قانون فطرت ہے۔ وہ اپنی طاقت کی بنا پر گورنمنٹ کے قانون کی زد سے بچ سکتے ہیں لیکن قانون قدرت کی زد سے نہیں بچ سکتے اور قانون قدرت کا یہ اٹل اصول پورا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جس کی ذات سے ہمیں محبت ہوتی ہے اسے برا بھلا کہنے کے بعد کوئی شخص ہم سے محبت اور صلح کی توقع نہیں رکھ سکتا"۔

(الفضل 10 جون 1927ء)

اس پوسٹر کا چھپنا تھا کہ ملک میں ایک شور مچ گیا۔ مسلمان اخبارات نے مضامین لکھے جن میں اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا گیا۔ وفد بنائے گئے اور حکام وقت کو اپنے غم و رنج سے آگاہ کیا گیا۔ مالک اخبار "ورتمان" اور مضمون لکھنے والے پر مقدمہ چلا اور انہیں ایک سال اور چھ ماہ قید کی سزا ہوئی۔ مسلمانان ہندوستان خوش ہو گئے کہ دشمنوں کو سزا ملی اور حضرت خلیفہ المسیح الثانی کو مبارک باد کے تار اور خطوط لکھے کہ یہ سب کچھ دراصل آپ کی کوششوں کے نتیجہ میں ہوا ہے۔ مگر آپ نے فرمایا کہ:۔

"میرا دل غمگین ہے کیونکہ میں اپنے آقا، اپنے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہتک عزت کی قیمت ایک سال کے جیل خانے کو قرار نہیں دیتا۔ میں ان لوگوں کی طرح جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دینے والے کی سزا قتل ہے ایک آدمی کی جان کو بھی اس کی قیمت قرار نہیں دیتا، میں ایک قوم کی تباہی کو بھی اس کی قیمت قرار نہیں دیتا کیونکہ میرے آقا کی عزت اس سے بالا ہے کہ کسی فرد یا جماعت کا قتل اس کی قیمت قرار دیا جائے"۔

نیز فرمایا:۔

"کیونکہ کیا یہ سچ نہیں کہ میرا آقا دنیا کو جلانے کے لئے آیا تھا نہ کہ مارنے کیلئے۔ وہ لوگوں کو زندگی بخشنے کیلئے آیا تھا نہ کہ ان کی جان نکالنے کیلئے۔ غرض محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت دنیا کے احیاء میں ہے نہ اس کی موت میں۔ پس میں اپنے نفس میں شرمندہ ہوں کہ اگر یہ دو شخص جو ایک قسم کی موت کا شکار ہوئے ہیں اور بدبختی کی جو مہر انہوں نے اپنے ماتھوں پر لگالی ہے اس صداقت پر اطلاع پاتے جو محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا ہوئی تھی تو کیوں گالیاں دے کر برباد ہوتے۔ اور اس صداقت کا ان تک نہ پہنچنا مسلمانوں کا قصور نہیں تو اور کس کا ہے۔ پس میں اپنے آقا سے شرمندہ ہوں۔ کیونکہ اسلام کے خلاف موجودہ شورش درحقیقت مسلمانوں کی تبلیغی سستی کا نتیجہ ہے۔ قانون ظاہری فتنہ کا علاج کرتا ہے نہ دل کا اور میرے لئے اس وقت تک خوشی نہیں جب تک کہ تمام دنیا کے دلوں سے محمد رسول اللہ ﷺ کا بغض نکال کر اس کی جگہ آپ کی محبت قائم نہ ہو جائے"۔

(الفضل ۱۹ جون اگست ۷ ۱۹۲ء)

مسلم آؤٹ لک کے احمدی ایڈیٹر کی شجاعت

اسی طرح ایک بدبخت دشمن راجپال کو "رنگیلا رسول" نامی کتاب کی اشاعت پر سیشن کورٹ سے چھ ماہ قید اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا چھ ماہ قید کی سزا ہوئی۔ راجپال نے ہائی کورٹ میں اپیل کی۔ اس کے جج کنور دلیپ سنگھ نے فیصلہ دیا کہ دفعہ ۱۵۳۔ الف جس کے تحت راجپال کو سزا دی گئی تھی وہ گزشتہ مذہبی رہنماؤں کے خلاف اعتراضوں اور حملوں کے انسداد کیلئے بنایا گیا تھا۔ اس لئے راجپال کو بری کر دیا گیا۔ اس پر Muslim Outlook کے احمدی ایڈیٹر سید دلاور شاہ صاحب بخاری نے اپنے ایک اداریے میں اس فیصلے کو سراسر نامناسب اور غلط قرار دیتے ہوئے جج کنور دلیپ سنگھ کو مستعفی ہو جانے کو کہا۔ اس پر پنجاب ہائی کورٹ کی طرف سے اخبار کے ایڈیٹر اور اس کے مالک و طابع مولوی نور الحق صاحب کے نام توہین عدالت کی جرم میں نوٹس پہنچ گیا۔ سید دلاور شاہ صاحب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بعض دوستوں نے مشورہ دیا کہ اس اداریے پر اظہار افسوس کر دینا چاہئے مگر حضور نے مشورہ دیا کہ

"ہمارا فرض ہے کہ صوبہ کی عدالت کا مناسب احترام کریں لیکن جب کہ ایک مضمون آپ نے دیانتداری سے لکھا ہے اور اس میں صرف ان خیالات کی ترجمانی کی ہے جو اس وقت ہر مسلمان کے دل میں اٹھ رہے ہیں تو اب آپ کا فرض سوائے اس کے کہ اس سچائی پر مضبوطی سے قائم رہیں اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہ رسول کریم ﷺ کی محبت کا سوال ہے اور ہم اس مقدس وجود کی عزت کے مقابلہ میں کسی کے معارض بیان پر بغیر آواز اٹھائے نہیں رہ سکتے۔ میں قانون تو جانتا نہیں اس کے متعلق تو آپ قانون دان لوگوں سے مشورہ لیں مگر میری طرف سے آپ کو یہ مشورہ ہے کہ آپ اپنے جواب میں لکھوا دیں کہ اگر ہائی کورٹ کے ججوں کے نزدیک کنور دلیپ صاحب کی عزت کی حفاظت کیلئے تو قانون انگریزی میں کوئی دفعہ موجود ہے لیکن رسول کریم ﷺ کی عزت کی حفاظت کے لئے کوئی دفعہ موجود نہیں تو میں بڑی خوشی سے جیل جانے کیلئے تیار ہوں"۔

(الفضل یکم جولائی 1927ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ 582)

محبت رسول کی خاطر

۱۹۲۶ء کا ذکر ہے کہ ہندوستان میں یہ دلخراش خبر پہنچی کہ (حضرت

بن عبدالوہاب کے معتقدین کی گولہ باری سے آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر کو نقصان پہنچا ہے جس سے گنبد میں دراڑیں پڑ گئی ہیں۔ ساتھ ہی یروشلم کی مسلم کونسل کے صدر اعلیٰ کی طرف سے تار آئی کہ حضور ﷺ کے روضہ اطہر پر گولہ باری نہیں کی گئی البتہ اس کے گنبد پر گولیاں لگی ہیں۔ حضرت خلیفہ المسیح الثانی نے ۴ ستمبر کو خطبہ جمعہ میں فرمایا۔

"یہ تو مانا نہیں جا سکتا کہ نجدیوں نے جان بوجھ کر روضہ مبارک مسجد نبوی اور دیگر مقامات مقدسہ پر گولے مارے ہوں گے کیونکہ آخر وہ بھی مسلمان کہلاتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی طرف سے اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں اور آپ کی عزت و توقیر کا بھی دم بھرتے ہیں۔ لیکن باوجود ان باتوں کے جو کچھ ہوا اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ...... گو انہوں نے دیدہ و دانستہ مقامات مقدسہ کو نقصان نہ پہنچایا ہو مگر ان کی بے احتیاطی سے نقصان ضرور پہنچا ہے"۔

پھر فرمایا:۔

"گو میں سمجھتا ہوں قبے بنانا ناجائز ہیں مگر ہر جگہ نہیں بلکہ ضرورت کے وقت جائز ہیں۔ اگر ان سے مراد قبر کی حفاظت نہیں تو ناجائز ہیں یا ان کیلئے ناجائز ہیں جو ہر حال میں ناجائز سمجھتے ہیں۔ مگر خواہ کچھ ہی ہو ان کا یہ کام نہیں کہ ان کو توڑیں۔ اس معاملے میں ہم نجدیوں کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں قبے بلا ضرورت بنانا ناجائز ہیں اور شرک میں داخل ہیں لیکن اس معاملہ میں ہم ان کے ساتھ اتفاق نہیں کرتے کہ ان کو گرانا بھی درست ہے...... ہماری ان باتوں کو دیکھ کر نجدیوں کے حامی کہیں گے کہ یہ بھی شریف علی کے آدمی ہیں۔ لیکن اگر رسول اللہ ﷺ کی توقیر کے متعلق آواز اٹھاتے ہوئے شریف کا آدمی چھوڑ شیطان کا آدمی بھی کہہ دیں تو کوئی حرج نہیں ہم تو رسول اللہ ﷺ کی خاطر سب سے محبت رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح موعود سے بھی اگر کوئی محبت رکھتے ہیں تو صرف اس لئے کہ وہ رسول کریم ﷺ کے غلام تھے اور آپ کو جو کچھ بھی حاصل ہوا اس غلامی کی وجہ سے حاصل ہوا...... بے شک ہم قبوں کی یہ حالت دیکھ کر خاموش رہتے لیکن رسول کریم ﷺ کی محبت اور عزت کی خاطر ہم آواز بلند کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں...... ہمارے پاس کوئی طاقت نہیں ہے کہ ہم نجدیوں کے ہاتھ روک سکیں۔ ہمارے پاس سہام اللیل ہیں۔ پس میں نصیحت کرتا ہوں کہ رسول کریم ﷺ کے مزار مقدس اور مسجد نبوی اور دوسرے مقامات کو اس ہتھیار سے بچائیں۔ ہماری جماعت کے لوگ راتوں کو اٹھیں اور اس بادشاہوں کے بادشاہ کے آگے سر کو خاک پر رکھیں جو ہر قسم کی طاقتیں رکھتا ہے اور عرض کریں کہ وہ ان مقامات کو اپنے فضل کے ساتھ بچائے...... عمارتیں گرتی ہیں اور ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن ان عمارتوں کے ساتھ اسلام کی روایات وابستہ ہیں۔ پس ہمیں دن کو بھی اور رات کو بھی، سوتے بھی اور جاگتے بھی دعائیں کرنی چاہئیں کہ خدا تعالیٰ اپنی طاقتوں سے اور اپنی صفات کے ذریعہ ان کو محفوظ رکھے اور ہر قسم کے نقصان سے بچائے"

(الفضل ۱۲ دسمبر ۱۹۶۵ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ ۵۲۷-۵۲۶)

ایک اور موقع پر غیر احمدی مولویوں کے بارے میں حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہ وہ اپنے منبروں پر کھڑے ہو کر یہاں تک کہتے ہیں کہ عیسائیوں سے، یہودیوں سے، آریوں سے اور سکھوں سے ہماری صلح ہو سکتی ہے مگر احمدیوں کے ساتھ ہم کسی طرح صلح نہیں کر سکتے۔ حضرت خلیفہ المسیح الثانی فرماتے ہیں کہ:۔

"اس کے مقابلے میں ہماری یہ حالت ہے کہ باوجود اس کے کہ سب سے بڑھ کر ہماری مخالفت کرنے والے غیر احمدی ہیں اور باوجود اس کے کہ ان کے ملکوں میں ہمارے آدمیوں کو نہایت بے دردی اور ظلم کی راہ سے قتل کیا جاتا ہے لیکن مذاہب کے لحاظ سے آریوں اور عیسائیوں سے کروڑوں درجے میں غیر احمدیوں کو افضل جانتا ہوں۔ یہ ہم کہیں گے کہ عیسائیوں کی حکومت اور ان کے ملک میں ہمارے لئے بہت امن اور انصاف ہے مگر افغان گورنمنٹ میں ہمارے ساتھ ظلم اور بے انصافی ہوتی ہے۔ لیکن جب مذہب کا سوال آئے گا تو میں امیر امان اللہ خان کو کروڑوں درجے کنگ جارج سے بڑھ کر سمجھوں گا کیونکہ وہ رسول کریم ﷺ کی عزت کرتے ہیں۔ انہیں خدا کا سچا رسول مانتے ہیں جو کہ ہمیں تمام چیزوں سے زیادہ عزیز اور پیارے ہیں۔ لیکن کنگ

جارج آپ کی صداقت کے قائل نہیں تو مذہباً امیر امان اللہ خان صاحب کو میں کنگ جارج سے زیادہ معزز سمجھتا ہوں باوجود اس کے کہ امیر امان اللہ خان کی حکومت میں ہمارے آدمیوں پر سخت ظلم ہوئے لیکن مذہباً کنگ جارج سے ان کی عزت میرے دل میں بہت زیادہ ہے کیونکہ جس کی غلامی کا مجھے فخر حاصل ہے اور جسے یہ مولوی لوگ کافر، کذاب اور دجال کہتے ہیں، اس سے میں نے یہی سیکھا ہے اور یہی اس نے تعلیم دی ہے اور میرا یہ حوصلہ اسی کی بدولت ہے کہ باوجود حکومت کابل سے اس قدر دکھ اٹھانے کے امیر امان اللہ خان کی اس قدر محبت اور عزت میرے دل میں ہے کیونکہ خواہ ان کی حکومت میں ہم سے کیسا ہی برا سلوک کیا گیا اور ہمیں کتنے ہی دکھ دیئے گئے مگر وہ حضرت محمد ﷺ کے نام لیوا ہیں"۔

(الفضل ۱۴ جولائی ۱۹۶۵ء)

اس بات کا ذکر کرتے ہوئے کہ تمام مدارج روحانیہ کا حصول آنحضرت ﷺ کی غلامی کے ساتھ منسوب ہے فرماتے ہیں کہ:۔

"جو شخص یہ کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کی امت میں ایسے لوگ پیدا نہیں ہو سکتے جو خدا کے مقرب ہوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کا شرف رکھتے ہوں وہ جھوٹا ہے۔ وہ محمد ﷺ کی ہتک کرتا ہے۔ وہ آپ کے فیضان کو بند کرتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ اس وقت بھی زندہ تھے جب آپ جسد عنصری کے ساتھ اس دنیا میں موجود تھے اور اس وقت بھی زندہ ہیں جب آپ دنیا سے جا چکے ہیں۔ دنیا پیدا ہوگی اور فنا ہوگی، لوگ آئیں گے اور مریں گے، نسل انسانی دنیا میں پیدا ہوگی اور مٹے گی مگر میرا رسول ہمیشہ کیلئے زندہ ہے۔ جو شخص اس کے خلاف کہتا ہے وہ جھوٹا ہے اور اگر اس پر کوئی مجھے پھانسی بھی دینا چاہے تو میں پھانسی کے تختہ پر بھی چڑھنے کیلئے تیار ہوں"۔

(سیر روحانی جلد دوم صفحہ ۷۰)

مولوی محمد علی صاحب مرحوم امیر غیر مبایعین نے اپنی ایک کتاب میں لکھا کہ گویا حضرت خلیفہ المسیح الثانی اور آپ کی جماعت حضرت مسیح موعود کو نبی مان کر آنحضرت ﷺ کی ہتک کرتے ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) اس کے جواب میں حضور فرماتے ہیں:۔

"نادان انسان ہم پر الزام لگاتا ہے کہ مسیح موعود کو نبی مان کر گویا ہم آنحضرت ﷺ کی ہتک کرتے ہیں۔ اسے کسی کے دل کا حال کیا معلوم۔ اسے اس محبت اور پیار اور عشق کا علم کس طرح ہو جو میرے دل کے ہر گوشہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کیلئے ہے۔ وہ کیا جانے کہ محمد ﷺ کی محبت میرے اندر کس طرح سرایت کر گئی۔ وہ میری جان ہے، میرا دل ہے، میری مراد ہے، میرا مطلوب ہے۔ اس کی غلامی میرے لئے عزت کا باعث ہے اور اس کی کفش برداری مجھے تخت شاہی سے بڑھ کر معلوم دیتی ہے۔ اس کے گھر کی جاروب کشی کے مقابلہ میں بادشاہت ہفت اقلیم ہیچ ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کا پیارا ہے پھر میں کیوں اس سے پیار نہ کروں۔ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے پھر میں کیوں اس سے محبت نہ کروں۔ وہ خدا تعالیٰ کا مقرب ہے پھر میں کیوں اس کا قرب تلاش نہ کروں۔ میرا حال مسیح موعود کے اس شعر کے مطابق ہے کہ۔

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

اور یہی محبت تو ہے جو مجھے اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ باب نبوت کے بکلی بند ہونے کے عقیدے کو جہاں تک ہو سکے باطل کروں کہ اس میں آنحضرت ﷺ کی ہتک ہے"۔

(حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۱۸۶۔۱۸۵)

جلسہ سیرت النبیؐ کا پس منظر اور اس کی اہمیت

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے دشمنان اسلام ہندوستان میں اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دلآزار باتیں چھاپتے رہتے۔ بہت ہنگامہ ہوتا، اخباروں میں اس کے احتجاج میں مضمون چھاپے جاتے۔ مقدمات لڑے جاتے۔ حضور نے ان کے انسداد کا ایک اچھوتا اور عمدہ طریق "جلسہ ہائے سیرۃ النبیؐ" کی شکل میں تجویز فرمایا۔ ان

جلسوں کا مقصد خود حضور کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔

"لوگوں کو آپ پر حملہ کرنے کی جرات اس لئے ہوتی ہے کہ وہ آپ کی زندگی کے صحیح حالات سے ناواقف ہیں اور اس کا ایک ہی علاج ہے کہ رسول کریم ﷺ کی سوانح پر اس کثرت سے اور اس قدر زور کے ساتھ لیکچر دیئے جائیں کہ ہندوستان کا بچہ بچہ آپ کے حالات زندگی اور آپ کی پاکیزہ زندگی سے آگاہ ہو جائے اور کسی کو آپ کے متعلق زبان درازی کی جرات نہ رہے۔ جب کوئی حملہ کرتا ہے تو یہی سمجھ کر کہ دفاع کرنے والا کوئی نہ ہو گا۔ واقف کے سامنے اس لئے کوئی حملہ نہیں کرتا کہ وہ دفاع کرے گا۔ پس سارے ہندوستان کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کو رسول کریم ﷺ کی پاکیزہ زندگی سے واقف کرنا ہمارا فرض ہے اور اس کے لئے بہترین طریق یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی زندگی کے اہم شعبوں کو لے لیا جائے اور ہر سال خاص انتظام کے ماتحت سارے ہندوستان میں ایک ہی دن ان پر روشنی ڈالی جائے تاکہ سارے ملک میں شور مچ جائے اور غافل لوگ بیدار ہو جائیں"۔

(تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۲۷ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ششم صفحہ ۳۹)

چنانچہ حضور کی کوششوں کے نتیجہ میں ۱۷ جون ۱۹۲۸ء کو ہندوستان کے طول و عرض میں پہلی بار جلسہ ہائے سیرت النبی ؐ کا انعقاد عمل میں آیا۔ یہ جلسے بہت کامیاب رہے۔ غیر بھی پکار اٹھے کہ:۔

"ہندوستان میں یہ تاریخ ہمیشہ زندہ رہے گی اس لئے کہ اس تاریخ میں اعلیٰ حضرت آقائے دو جہاں سردار کون و مکان محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر خیر کسی نہ کسی پیرایہ میں مسلمانوں کے ہر فرقے نے کیا اور ہر شہر میں یہ کوشش کی گئی کہ اول درجے پر ہمارا شہر رہے..... بہر حال ۱۷ جون کو جلسے کی کامیابی پر ہم امام جماعت احمدیہ جناب مرزا محمود احمد صاحب کو مبارک باد دیتے ہیں۔ اگر شیعہ و سنی اور احمدی اس طرح سال بھر دو چار مرتبہ ایک جگہ جمع ہو جایا کریں گے تو پھر کوئی قوت اسلام کا مقابلہ اس ملک میں نہیں کر سکتی"۔

(اخبار "مشرق" گورکھپور ۲۱ جون ۱۹۲۸ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ششم صفحہ ۵۱)

یہ اجلاس بعد میں بھی کئی سال جاری رہے۔ ان کیلئے خاص طور پر لیکچرار تیار کئے جاتے۔ الفضل کا "خاتم النبیین نمبر" لیکچراروں کی ہدایت کیلئے شائع ہوتا اور کسی خاص دن سارے ملک میں پبلک جلسوں کا انعقاد کر کے حضور ﷺ کی سیرت مقدسہ سے لوگوں کو آگاہ کیا جاتا۔ اس سارے کام کے پیچھے ایک ہی دماغ کام کر رہا تھا۔ اس انسان کا دماغ کہ جس کا دل اپنے آقا حضرت رسول ﷺ کے عشق اور محبت میں مخمور تھا۔ جسے دھن تھی تو یہی کہ دنیا اس کے محبوب ﷺ کو جلد پہچان کر ان سے محبت کا تعلق قائم کر لے۔ حضرت خلیفہ المسیح الثانی کی ساری زندگی اسی محور کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔ آپ کا رواں رواں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور کام کو دنیا میں قائم کرنے کیلئے وقف تھا۔ رات اور دن سوتے اور جاگتے یہی خیال آپ کو رہتا۔ تحریرات اور تقریروں اور جلسے جلوسوں کے انعقاد کے علاوہ حضور نے اپنی زندگی کو بھی کامل طور پر سنت نبوی ؐ کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ ہر حرکت اور ہر سکون حضور نبی کریم ﷺ کے حرکت و سکون کے مطابق تھا۔ رمضان شریف میں بہت خیرات کرتے کہ ان کے محبوب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی رمضان المبارک میں صدقہ و خیرات معمول سے بھی بہت بڑھ کر فرماتے تھے۔ غریبوں، بیواؤں اور یتیموں کی خبر گیری فرماتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں سے ایک یہ بھی تھا۔ غرضیکہ اپنی ہستی پر فنا وارد کر کے حضرت خلیفہ المسیح الثانی...... نے آنحضرت ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا نہایت اعلیٰ درجہ کا نمونہ دکھایا۔

حقیقی عید اور حقیقی خوشی

عید کا دن آتا تو لوگ خوشیاں مناتے۔ حضرت خلیفہ المسیح الثانی بھی خوشی تو مناتے کہ عید کی خوشی منانے کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے لیکن ساتھ ہی فرماتے اور حضور کے کئی خطبہ ہائے عیدین اسی مضمون پر ہیں کہ ہماری عید تو اس دن ہو گی جب آنحضرت ﷺ کو ماننے والے اور آپ سے محبت کرنے والے دنیا میں زیادہ ہوں گے۔

"ہماری عید دراصل وہی ہو سکتی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کی عید ہو۔ اگر ہم تو عید منائیں لیکن محمد رسول اللہ ﷺ عید نہ منائیں تو ہماری عید قطعاً عید نہیں کہلا سکتی بلکہ وہ ماتم ہو گا۔

جیسے کسی کے گھر میں کوئی لاش پڑی ہو ان کا کوئی بڑا آدمی فوت ہو گیا ہو تو لاکھ عید کا چاند نکلے ان کیلئے عید کا دن ماتم کا دن ہی ہو گا۔ اسی طرح ایک مسلمان کے لئے چاہے محمد رسول اللہ ﷺ کی وفات پر ۱۳۰۰ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ اگر اس کی عید میں محمد رسول اللہ ﷺ شامل نہیں اور اگر وہ اس ظاہری عید پر مطمئن ہو جاتا ہے تو اس کی عید کسی کام کی نہیں۔ بے شک ہمیں اس دن خدا تعالیٰ نے خوش ہونے کا حکم دیا ہے اور ہم خوش ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ہمارے دلوں کو چاہئے کہ وہ روتے رہیں کہ ابھی محمد رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی عید نہیں آئی۔ محمد رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی عید سویاں کھانے سے نہیں آتی نہ شیر خرما کھانے سے آتی ہے بلکہ ان کی عید قرآن اور اسلام کے پھیلنے سے آتی ہے"۔

غرضیکہ حضرت مصلح موعود کی خوشی یا غمی رنج یا راحت سب خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے لئے تھے اور ہر عمل رسول اللہ ﷺ کے دین کے قیام کی کوشش کے لئے تھا۔ ایک موقع پر اہالیان ربوہ کے لئے دعا کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ:۔

"ہم اس سے دعا کرتے ہیں کہ وہ یہاں (یعنی ربوہ۔ ناقل) کے رہنے والوں میں دین کا اتنا جوش پیدا کر دے، دین کی اتنی محبت پیدا کر دے، محمد رسول اللہ ﷺ کا عشق پیدا کر دے کہ وہ پاگلوں کی طرح دنیا میں نکل جائیں اور اس وقت تک گھر نہ لوٹیں جب تک کہ دنیا کے کونے کونے میں محمد رسول اللہ ﷺ کی حکومت قائم نہ کر دیں۔ بے شک دنیا کہے گی کہ یہ لوگ پاگل ہیں مگر ایک دن آئے گا اور یقیناً آئے گا اور یقیناً آئے گا۔ یہ آسمان ٹل سکتا ہے۔ یہ زمین ٹل سکتی ہے مگر یہ وعدہ نہیں ٹل سکتا کہ خدا ہمارے ہاتھ سے محمد رسول اللہ ﷺ کی حکومت دنیا میں قائم کر دے گا اور وہ لوگ جو ہمیں پاگل کہتے ہیں شرمندہ ہو کر کہیں گے کہ اس چیز نے تو ہو کر ہی رہنا تھا۔ آثار ہی نظر آ رہے تھے جن سے ثابت ہوتا تھا کہ یہ چیز ضرور وقوع میں آئے گی"۔

(خطبہ فرمودہ ۲۰ ستمبر ۱۹۴۸ء بحوالہ الفضل جلسہ سالانہ نمبر)

عشق رسول ﷺ سے بھرپور حضرت مصلح موعود ایک نظم کے چند اشعار یہاں درج ہیں۔

محمد پر ہماری جاں فدا ہے
کہ وہ کوئے صنم کا رہنما ہے
خبر لے اے مسیحا درد دل کی
تیرے بیمار کا دم گھٹ رہا ہے
میرا ہر ذرہ ہو قربان احمد
مرے دل کا یہی اک مدعا ہے
اسی کے عشق میں نکلے مری جاں
کہ یاد یار میں بھی ایک مزا ہے
مجھے اس بات پر ہے فخر محمود
میرا معشوق محبوب خدا ہے

آخر میں حضرت اقدس خلیفہ المسیح الثانی کی ایک خواہش درج کی جاتی ہے اور زمین و آسمان گواہ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے وہ من و عن پوری فرمادی:۔

"یاد رہے کہ میں کسی خوبی کا اپنے لئے دعویدار نہیں ہوں میں فقط خدا تعالیٰ کی قدرت کا ایک نشان ہوں اور محمد رسول اللہ ﷺ کی شان کو دنیا میں قائم کرنے کیلئے خدا تعالیٰ نے مجھے ہتھیار بنایا ہے۔ اس سے زیادہ نہ مجھے کوئی دعویٰ ہے اور نہ مجھے کسی دعویٰ میں خوشی ہے۔ میری ساری خوشی اسی میں ہے کہ میری خاک محمد رسول اللہ ﷺ کی کھیتی میں کھاد کے طور پر کام آجائے اور اللہ تعالیٰ مجھ پر راضی ہو جائے اور میرا خاتمہ رسول کریم ﷺ کے دین کے قیام کی کوشش پر ہو"۔

(تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۴۴ء)

اور آپ نے بطور پیشگوئی فرمایا تھا کہ:۔

دیکھ لینا ایک دن خواہش بر آئیگی مری
میرا ہر ذرہ محمد پر فدا ہو جائیگا

(از روزنامہ "الفضل" فضل عمر نمبر)

یہ مضمون مکرم ملک محمود احمد صاحب آف لاہور کا ہے۔ جو کہ الفضل "فضل عمر نمبر" مارچ ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا تھا۔

حیاتِ مصلح موعود کے چند تابناک لمحات

سیدنا حضرت مصلح موعود کی ساری زندگی بے مثال جدوجہد اور خدا تعالیٰ کے فضلوں اور رحمتوں کے جلو میں آگے بڑھنے سے عبارت ہے۔ لیکن آپ کی زندگی میں ایسے لمحات بھی آئے جن میں کئے جانے والے فیصلوں نے آپ کی اور جماعت احمدیہ کی زندگی پر غیر معمولی اثرات چھوڑے۔ یہ وہ سنگ میل تھے جنہوں نے زمانے کا رخ بدل دیا۔ ایسی ہی چند یادگار اور انقلاب انگیز گھڑیوں اور لمحات کا تذکرہ حضور کے اپنے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے۔

زندہ خدا پر کامل یقین

"جب میں گیارہ سال کا ہوا اور ۱۹۰۰ء نے دنیا میں قدم رکھا تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں خدا تعالیٰ پر کیوں ایمان لاتا ہوں اس کے وجود کا کیا ثبوت ہے؟ میں دیر تک رات کے وقت اس مسئلہ پر سوچتا رہا آخر دس گیارہ بجے میرے دل نے یہ فیصلہ کیا کہ ہاں ایک خدا ہے۔ وہ گھڑی میرے لیے کیسی خوشی کی گھڑی تھی جس طرح ایک بچے کو اس کی ماں مل جائے تو اسے خوشی ہوتی ہے اسی طرح مجھے خوشی تھی کہ میرا پیدا کرنے والا مجھے مل گیا۔ سماعی ایمان علمی ایمان میں تبدیل ہو گیا۔ میں اپنے جامہ میں پھولا نہیں سماتا تھا۔ میں نے اسی وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور ایک عرصہ تک کرتا رہا کہ خدایا! مجھے تیری ذات کے متعلق کبھی شک پیدا نہ ہو۔ اس وقت میں گیارہ سال کا تھا...... مگر آج بھی اس دعا کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ میں آج بھی یہی کہتا ہوں "خدایا تیری ذات کے متعلق مجھے کبھی شک پیدا نہ ہو۔ ہاں اس وقت میں بچہ تھا۔ اب مجھے زائد تجربہ ہے۔ اب میں اس قدر زیادتی کرتا ہوں کہ خدایا مجھے تیری ذات کے متعلق حق الیقین پیدا ہو۔"

نماز پر دوام

"جب میرے دل میں خیالات کی وہ موجیں پیدا ہونی شروع ہوئیں جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے تو ایک دن ضحیٰ کے وقت یا اشراق کے وقت میں نے وضو کیا اور وہ جبہ اس وجہ سے نہیں کہ خوبصورت ہے بلکہ اس وجہ سے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا ہے اور متبرک ہے یہ پہلا احساس میرے دل میں خدا تعالیٰ کے فرستادہ کے مقدس ہونے کا تھا، پہن لیا تب میں نے اس کوٹھڑی کا جس میں میں رہتا تھا دروازہ بند کر لیا اور ایک کپڑا بچھا کر نماز پڑھنی شروع کر دی اور میں اس میں خوب رویا، خوب رویا، خوب رویا اور اقرار کیا کہ اب نماز کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ اس گیارہ سال کی عمر میں مجھ میں کیسا عزم تھا! اس اقرار کے بعد میں نے کبھی نماز نہیں چھوڑی گو اس نماز کے بعد کئی سال بچپن کے ابھی باقی تھے۔ میرا وہ عزم میرے آج کے ارادوں کو شرماتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم میں کیوں رویا۔ فلسفی کہے گا اعصابی کمزوری کا نتیجہ ہے۔ مذہبی کہے گا تقویٰ کا جذبہ تھا۔ مگر میں جس سے یہ واقعہ گزرا کہتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں میں کیوں رویا؟ ہاں یہ یاد ہے کہ اس وقت میں اس امر کا اقرار کرتا تھا کہ پھر کبھی نماز نہیں چھوڑوں گا اور وہ رونا کیا بابرکت ہوا اور وہ افسردگی کیسی راحت بن گئی! جب اس کا خیال کرتا ہوں تو سمجھتا ہوں کہ وہ آنسو ہسٹیریا کے دورہ کا نتیجہ نہ تھے پھر وہ کیا تھے؟ میرا خیال ہے وہ شمس روحانی کی گرم کر دینے والی کرنوں کا گرایا ہوا پسینہ تھے۔ وہ (حضرت بانی سلسلہ احمدیہ) کے کسی فقرہ یا کسی نظر کا نتیجہ تھے اگر یہ نہیں تو میں نہیں کہہ سکتا کہ پھر وہ کیا تھے؟"

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر ایمان

"میں علمی طور پر بتلاتا ہوں کہ میں نے حضرت صاحب کو والد ہونے کی وجہ سے نہیں مانا تھا بلکہ جب میں گیارہ سال کے قریب کا تھا تو میں نے مصمم ارادہ کیا تھا کہ اگر میری تحقیقات میں وہ نعوذ باللہ جھوٹے

نکلے تو میں گھر سے نکل جاؤں گا۔ مگر میں نے ان کی صداقت کو سمجھا اور میرا ایمان بڑھتا گیا حتی کہ جب آپ فوت ہوئے تو میرا یقین اور بھی بڑھ گیا"

ایک عزم صمیم

"حضرت بانی سلسلہ احمدیہ) کی وفات کے معا بعد کچھ لوگ گھبرائے کہ اب کیا ہو گا۔ انسان انسانوں پر نگاہ کرتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ دیکھو یہ کام کرنے والا موجود تھا یہ تو اب فوت ہو گیا' اب سلسلہ کا کیا بنے گا؟ جب اس طرح بعض اور لوگ مجھے پریشان حال دکھائی دیئے اور میں نے ان کو یہ کہتے سنا کہ اب جماعت کا کیا حال ہو گا تو مجھے یاد ہے گو میں اس وقت انیس سال کا تھا مگر میں نے اسی جگہ حضرت (بانی سلسلہ احمدیہ) کے سرہانے کھڑے ہو کر کہا کہ

اے خدا! میں تجھ کو حاضر ناظر جان کر تجھ سے سچے دل سے یہ عہد کرتا ہوں کہ اگر ساری جماعت احمدیت سے پھر جائے تب بھی وہ پیغام جو حضرت (بانی سلسلہ احمدیہ) کے ذریعہ تو نے نازل فرمایا ہے اس کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلاؤں گا۔

انسانی زندگی میں کئی گھڑیاں آتی ہیں سستی کی بھی، چستی کی بھی' علم کی بھی' جہالت کی بھی۔ اطاعت کی بھی غفلت کی بھی۔ مگر آج تک میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ میری گھڑی ایسی چستی کی گھڑی تھی' ایسی علم کی گھڑی تھی' ایسی عرفان کی گھڑی تھی کہ میرے جسم کا ہر ذرہ اس عہد میں شریک تھا اور اس وقت میں یقین کرتا تھا کہ دنیا اپنی ساری طاقتوں اور قوتوں کے ساتھ مل کر بھی میرے اس عہد اور اس ارادہ کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ شاید اگر دنیا میری باتوں کو سنتی تو وہ ان کو پاگل کی بڑ قرار دیتی بلکہ شاید کیا' یقیناً وہ اسے جنون اور پاگل پن سمجھتی۔ مگر میں اپنے نفس میں اس عہد کو سب سے بڑی ذمہ داری اور سب سے بڑا فرض سمجھتا تھا اور اس عہد کے کرتے وقت میرا دل یہ یقین رکھتا تھا کہ میں اس عہد کے کرنے میں اپنی طاقت سے بڑھ کر کوئی وعدہ نہیں کر رہا بلکہ خدا تعالیٰ نے جو طاقتیں مجھے دی ہیں' انہیں کے مطابق اور مناسب حال یہ وعدہ ہے"

آغاز تحریک جدید

"تحریک جدید کے پیش کرنے کے موقع کا انتخاب ایسا اعلیٰ انتخاب تھا جس سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ انتخاب نہیں ہو سکتا۔ اور خدا تعالیٰ نے مجھے اپنی زندگی میں جو خاص کامیابیاں اپنے فضل سے عطا فرمائی ہیں ان میں ایک اہم کامیابی تحریک جدید کو عین وقت پر پیش کر کے مجھے حاصل ہوئی اور یقیناً میں سمجھتا ہوں جس وقت میں نے یہ تحریک کی وہ میری زندگی کے خاص مواقع میں سے ایک موقع تھا۔ اور میری زندگی کی ان بہترین گھڑیوں میں سے ایک بہترین گھڑی تھی۔ جب کہ مجھے اس عظیم الشان کام کی بنیاد رکھنے کی توفیق ملی"۔

جب ایک باغ دوبارہ لگایا گیا

۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے وقت جماعت احمدیہ کو اپنا مرکز قادیان چھوڑ کر پاکستان منتقل ہونا پڑا۔ قتل و غارت اور آتش زنی کے اس وسیع اور خونی چکر میں جماعت احمدیہ جیسی محدود وسائل والی پر امن اور قلیل جماعت کا بیشمار مسائل سے دوچار ہونا لازمی امر تھا۔ پاکستان میں نئے مرکز کا قیام ایک درخت کو اکھیڑ کر دوسری جگہ لگانا نہیں بلکہ ایک باغ کو اکھیڑ کر دوسری جگہ لگانے کے مترادف تھا۔ مصائب و آلام کی ان سیاہ گھڑیوں میں حضرت مصلح موعود نے اپنے اللہ کے حضور ایک اور تاریخی عہد کیا۔ آپ فرماتے ہیں۔

"جب حضرت (بانی سلسلہ احمدیہ) لاہور میں فوت ہوئے اس وقت میری شادی تو ہو چکی تھی لیکن بچہ کوئی نہیں تھا ایک بچہ پیدا ہوا تھا جو چھوٹی عمر میں فوت ہو گیا اس وقت میں نے حضرت (بانی سلسلہ) کے سرہانے کھڑے ہو کر یہ عزم کیا تھا اور خدا تعالیٰ کے سامنے قسم کھائی تھی کہ اگر جماعت اس ابتلاء کی وجہ سے فتنہ میں پڑ جائے اور ساری ہی جماعت مرتد ہو جائے تب بھی میں اس صداقت کو نہیں چھوڑوں گا جو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ لائے اور اس وقت (دعوت الی اللہ) جاری رکھوں گا جب تک وہ صداقت دنیا میں قائم نہیں ہو جاتی۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھ سے اب ایک اور عہد لینا چاہتا ہے۔ وہ وقت میری جوانی کا تھا اور یہ وقت میرے بڑھاپے کا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے کام کرنے کیلئے

بقیہ صفحہ 30 پر

قسط دوم و آخری

تازہ بستیاں آباد

(مکرم ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب سویڈن)

ملک فضل الٰہی کا ذکر آگیا تو اپنے زمانہ کے کلرکوں کا خیال آ گیا۔ آج بھی انہیں کلرکی کرتے دیکھتے ہیں تو اللہ کا شکر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس آزمائش سے جلد ہی نکال لیا فضل الٰہی ہماری طرح ہمارے ساتھ ہی کلرکی کے میدان میں اترا تھا۔ بھیرہ کا رہنے والا نہایت باوفا دوست ہے۔ ہماری عمریں ایک جیسی تھیں اس لئے ہمارا یارانہ بھی بہت تھا۔ فضل الٰہی کلرکی چھوڑ کر مونگ رسول کے اوورسیئر سکول میں داخل ہو گیا اور محکمہ انہار سے اسسٹنٹ انجینئیر کی حیثیت سے ریٹائر ہو گیا انجمن کے دفتروں پر نگاہ دوڑاتا ہوں تو بہت سے لوگ اس زمانہ کے نکلتے ہیں مگر ان سے شناسائی کا سلسلہ نہیں تھا۔

حضرت میاں بشیر احمد صاحب کی وفات بھی ساٹھ کی دہائی کے شروع میں ہوئی۔ ہمیں یاد ہے ہم یونیورسٹی لائبریری میں بیٹھے تھے کہ ایک دوست نے حضرت میاں صاحب کی وفات کی خبر سنائی۔ ہم سیدھے 23 ریس کورس روڈ پہنچے۔ ساری جماعت احمدیہ لاہور وہاں پہنچی ہوئی تھی۔ یہ کوٹھی میاں مظفر احمد صاحب کی سرکاری رہائش گاہ تھی۔ حضرت میاں صاحب کا جنازہ اندر رکھا تھا لوگ ایک دروازہ سے دیدار کے لئے اندر جاتے دوسرے سے نکل جاتے۔ بیماری کی نوعیت کا تو ہمیں علم نہیں مگر اتنا سنا کہ بخار اتنا تیز تھا کہ بار بار برف کے پانی سے جسم کو تر کرنے کے باوجود نہیں اترتا تھا۔ اسی بخار میں آپ نے جان دے دی۔ بہت صدمہ ہوا۔ حضرت میاں صاحب سے احمدی ہونے کے ناطے جو تعلق تھا ہمارا تعلق اس سے کہیں زیادہ تھا۔ ہم نے زندگی کا ایسا زمانہ ان کے سائے میں بسر کیا تھا جو نہایت اہم زمانہ ہوتا ہے۔ ہمیں تعلیم کا شوق دلانے میں ان کا بہت ہاتھ تھا۔ جب بھی ملنا ہوتا تعلیم کی ترقی کا پوچھتے رہتے۔ مگر اے کاش ہمارے پی ایچ ڈی ہو جانے تک زندہ رہتے تو انہیں کتنی خوشی ہوتی۔ انہیں اس بات کا اشتیاق بھی تھا کہ ربوہ میں ان کے سائے میں پلا ہوا کوئی بچہ تعلیمی لحاظ سے اس مرتبہ تک پہنچے۔

لاہور سے ان کا جنازہ ربوہ لایا گیا ہم بھی ایک بس میں ساتھ آئے۔ اگلے روز ان کا جنازہ ہوا۔ مجھے یاد نہیں کس نے جنازہ پڑھایا تھا غالباً حضرت مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج نے۔ ربوہ میں ہم نے پہلا جنازہ جو آپ کی امامت میں پڑھا غالباً یہی تھا۔ خلافت کے مقام پر تو وہ 1965ء میں فائز ہوئے۔

ربوہ کی ساری آبادی ہماری آنکھوں کے سامنے ہوئی۔ کچے مکانوں سے پکے مکانوں، کوٹھیوں تک، سب کے ہم چشم دید گواہ ہیں۔ پہلے پہلے ربوہ میں ملک صاحب خان صاحب نون نے اپنی کوٹھی بنائی۔ ملک صاحب خان صاحب نون ڈپٹی کمشنر کے طور پر ریٹائر ہوئے تھے اور نہایت مخلص احمدی تھے۔ عمر بھر نرینہ اولاد کی خواہش میں گھلتے رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا دیا ملک احمد خاں نون۔ مگر ملک صاحب کی وفات کے بعد وہ ربوہ چھوڑ گئے۔ ملک صاحب خاں صاحب نون سرگودھا کے بڑے زمینداروں میں سے تھے۔ انگریز حاکموں کا دستور تھا کہ وہ مقامی شرفاء میں سے بعض لوگوں کو انتظامی عہدوں پر متعین کیا کرتے تھے۔ ملک سر فیروز خان نون کے والد کمشنر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تھے۔ ملک صاحب کی کوٹھی ربوہ کی پہلی پہلی کوٹھی تھی۔ ہم نے ملک صاحب کو ایک یا دو بار دیکھا۔ نہایت متین اور سنجیدہ آدمی تھے مگر ہمیں اس زمانہ میں ان سے مستفید ہونے کا موقع نہ ملا۔

یہاں تک لکھ چکے تو احساس ہوا کہ نئی نسل کے لوگ اگر یہ پوچھ لیں کہ شروع میں آپ نے لکھا تھا کہ پانی کا ایک قطرہ تک اس زمین

میں نہیں تھا تو ہم اتنے مکانات اور کوٹھیوں پر کوٹھیاں کہاں سے بناتے چلے جا رہے ہیں؟ تو ہم کیا جواب دیں گے؟ ربوہ میں پانی کی دریافت بھی عجیب معجزہ ہے۔ جس طرح پہلی عبادت گاہ ہسپتال کے احاطہ میں "الیست" یادگار کے نام سے کھڑی ہے اس طرح پہلا ٹیوب ویل البشریٰ والے چوک میں میاں منور احمد صاحب کی کوٹھی والے کونے پر لگا تھا۔ پانی نہ نکلتا تو آبادی کہاں سے ہوتی؟ مگر پانی ابتداء میں اتنا نمکین تھا کہ بالکل کڑوا محسوس ہوتا تھا اور پینے کے لئے احمد نگر سے پانی لانا پڑتا تھا۔ اب تو لوگ دریا کا مصفا پانی پیتے ہیں اور سوچ بھی نہیں سکتے کہ کسی زمانہ میں ربوہ کا پانی کڑوا ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس پانی میں نمکیت کم ہوتی گئی اور انہیں علاقوں کا پانی اب پینے کے قابل ہو گیا ہے۔ مثلاً دارالرحمت وسطی کا پانی شروع سے ہی نسبتاً میٹھا تھا۔ اب بھی ہے مگر دارالصدر کا پانی بھی اب پینے کے قابل ہو گیا ہے۔ اس وقت نلکے بھی بہت گہرائی پر جا کر لگتے تھے اس زمانہ میں قریشی فضل حق صاحب نے بہت محنت کی۔ اسی محنت کا صلہ اللہ تعالیٰ نے دیا کہ اب بورنگ کے سلسلہ میں اتنی گہرائی میں نہیں جانا پڑتا۔

پھر ٹیوب ویل لگے۔ کالج کی عمارت بنانے کا مرحلہ تھا مگر کالج کے احاطہ میں یا کالج کے قریب پانی کا نام و نشان نہیں تھا۔ اس لئے کالج کا ٹیوب ویل دارالعلوم میں جا کر لگا۔ وہیں جہاں آس پاس میں ہمارے دوست مسٹر جسٹس محمد اسلام بھٹی صاحب کی زمین تھی۔ پانی اتنی دور سے لانا پڑتا تھا۔ مگر کام کہیں رکا کرتے ہیں؟ کالج کی عمارت بنی، کالج لاہور سے ربوہ منتقل ہوا۔ ہوسٹل میں کئی سو طلباء رہتے تھے سب ہی پانی کے سلسلہ میں مطمئن رہے۔ صرف یہ تھا کہ گھر میں اگر ذاتی نلکے پر ڈونگی پمپ لگا کر پانی اٹھا کر غسلخانوں تک پہنچایا جاتا تھا تو چائے بنانے میں آسانی رہتی تھی۔ قارئین حیران تو ہوں گے کہ یہ کیا شتر گربہ ہے؟ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہم نے ڈونگی پمپ سے پانی اٹھا کر اپنے گھر کے غسلخانہ تک پانی پہنچا رکھا تھا کہ نہانے دھونے میں آسانی رہے۔ ہمارے ایک زندہ دل مہمان لاہور سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ نہانے کے لئے غسل خانہ میں گئے تو تھوڑی دیر کے بعد نوکر کو آواز دی۔ وہ بھاگا بھاگا گیا تو فرمانے لگے۔ "ذرا ایک لپ اور چائے کی پتی لے آؤ" وہ اس مطالبہ پر بھونچکارہ گیا۔ تو مہمان موصوف نے ڈانٹا کہ "جاتے کیوں نہیں میرا وقت ضائع کر رہے ہو؟ بیگم صاحبہ سے کہو چائے کی پتی اور ایک کپ دے دیں" وہ بچارا بادل ناخواستہ آیا اور ہماری بیگم تک مہمان موصوف کا مطالبہ پہنچایا۔ انہوں نے ہمیں بھگایا کہ جا کر مہمان کی خیر خیریت دریافت کریں کہ نہاتے میں ان کا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟ ہم نے چائے کی پتی کی لم پوچھی۔ فرمانے لگے نہیں اب ضرورت نہیں رہی۔ پانی ٹھنڈا ہو گیا ہے ورنہ شروع شروع میں اتنا گرم پانی نکلا تھا کہ میں نے سوچا اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چائے ہی بنالوں۔ بھابھی تکلیف سے بچ جائیں گی۔ سو جناب ہمارے ہاں پانی کا یہ عالم بھی رہا ہے۔ اب تو ٹینکی کا پانی ہے اور ذرا سی دیر میں ٹھنڈا بھی ہو جاتا ہے۔ آج کل کے باشندے اس دور کی صعوبتوں کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ مگر یہ سارا مسئلہ دنیا کو حیران کر دینے کے لئے کافی تھا کہ وہ جگہ جہاں لوگ ہزار ہا روپیہ خرچ کرنے اور رائج الوقت ٹیکنالوجی استعمال کرنے کے باوجود پانی حاصل نہ کر سکے تو اس جماعت کے پاس کیا نسخہ تھا کہ جھٹ پانی نکل آیا۔ نسخہ تو ہمیں بھی معلوم ہے مگر بتانے کو جی نہیں چاہتا کیونکہ وہ نسخہ ہر ایک کے کام نہیں آتا۔ اس نسخہ کی تیاری میں راتوں کی دعائیں اور سحر گاہ کا تضرع شامل کرنا پڑتا ہے۔ یہی اجزاء آج کل نایاب ہو رہے ہیں۔

پانی کے سلسلہ میں کافی دقت بھی رہی۔ گھروں میں نلکے ہونے کے باوجود پینے کا پانی بعض خاص محلوں سے منگوانا پڑتا تھا۔ مثلاً انجمن اور تحریک کے کوارٹرز جس جگہ واقعہ ہیں وہاں کا پانی پینے کے قابل نہیں ہوا۔ ان لوگوں کو زائد پیسے خرچ کر کے سقہ لگوانا پڑتا تھا جو دارالرحمت سے پانی ڈھوتا تھا۔ اس وقت پینے کے پانی کی قدر ہوئی۔ پھر جن محلوں کا پانی نمکین تھا وہاں یہ عالم بھی تھا کہ پانی میں نمکیات کی کثیر مقدار شامل تھی۔ ہم مذاق میں کہا کرتے تھے کہ حکومت ایٹمی توانائی کے سلسلہ میں خوامخواہ "بھاری پانی" کے مہیا کرنے میں اتنی تگ و دو کر رہی ہے ربوہ سے پانی منگوا لے۔ بھاری پانی کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اس پانی کی ایک اور خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس پانی سے نہانے کے بعد بالوں کا میل وغیرہ نکل جاتا تھا مگر خود پانی نہیں نکلتا تھا۔

پانی کے سارے اجزا بالوں کو یوں گچھا مچھا بنا دیتے تھے کہ الامان والحفیظ! مگر اس سب کچھ کے باوجود ربوہ آباد ہوا۔ پانی کی فراوانی ہوئی سبزہ بھی ہو گیا۔ جہاں ایک تنکا نہیں اگتا تھا وہاں گلشن احمد نرسری کے اشتہارات الفضل میں شائع ہوتے ہیں۔ زمین گل و گلزار ہو گئی ہے۔ (اب تو واقعی "گلن احمد" ہو چکی ہے۔ بس اپنے "طائر" کے بنا اداس اداس لگتی ہے۔ مدیر) گھروں میں پائیں باغ کا رواج بھی ہو گیا ہے۔

کالج کا نیا کیمپس تو نسبتاً زرخیز زمین پر قائم ہوا ہے۔ وہاں روئیدگی تھی مگر وہاں امرودوں کے باغ لگانے کا کوئی نہیں سوچ سکتا تھا۔ امرودوں کے باغ اگانے سے ایک امرود بیچنے والا یاد آیا۔ اس نے کالج کے امرودوں کے باغ کا ٹھیکہ لے رکھا تھا۔ ادھر کوٹ امیر شاہ اور ربوہ والے درہ کے درمیان بھی امرودوں کا ایک باغ تھا۔ شہر میں امرود بکتے تھے۔ اس نے ان امرودوں کو کوٹ امیر شاہ کے باغوں سے ممیز کرنے کے لئے نعرہ ایجاد کیا۔ وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا "لو جی! یونیورسٹی کے پڑھے لکھے امرود" کالج کے نئے کیمپس کو زبان خلق نے ہمیشہ یونیورسٹی ہی کہا۔ اور زبان خلق تو نقارہ خدا ہوتی ہے۔ کالج قومیایا نہ جاتا تو ہم اب تک اسے یونیورسٹی بنا ہی چکے ہوتے۔ خیر وہ وقت بھی انشاء اللہ ضرور آئے گا۔ ہمارا بھائی نصیر خان تو اس کیمپس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اس کیمپس کے ایک ایک کمرہ میں نصیر خان کی روح بولتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

مکان یاد کیا کرتے ہیں مکینوں کو!

ربوہ میں مہمانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ سارا سال ہی جاری رہتا ہے۔ اب بھی ہوگا۔ اس زمانہ میں دار الضیافت کے انچارج حکیم فضل الرحمن صاحب تھے۔ حکیم صاحب نائیجیریا میں لمبا عرصہ رہ کر واپس آئے تھے۔ نہایت دبنگ آدمی تھے۔ ان کا بہت رعب داب تھا۔ ہاتھ میں ایک کھونڈ بھی رکھتے تھے۔ ایک دو فقیر عین کھانے کے وقت آٹپکا کرتے تھے۔ حکیم صاحب انہیں نہایت احترام سے کھانا دے دیا کرتے تھے۔ کسی نے کہا کہ یوں فقیروں کو کھانا دیتے رہیے گا تو سارے علاقہ کے فقیر اپنے اپنے کشکول لئے آموجود ہوں گے۔ حکیم صاحب مسکرائے۔ فرمایا یہ میرا کھونڈ کس مرض کی دوا ہے؟ مگر ہم نے انہیں کسی فقیر کو روٹی دینے سے انکار کرتے یا جھڑکتے نہیں دیکھا۔ فرماتے تھے جس کا لنگر ہے اس نے یہی طریق رکھا تو میں اس طریق کو کیسے چھوڑ دوں؟ دار الضیافت میں مہمانوں کی ریل پیل رہتی تھی۔ صبح کے وقت کھانے میں دال اور شام کے وقت کھانے میں آلو یا شلجم گوشت ہوتا تھا۔ یہ طریق پرانا تھا اور نہ جانے کب سے چلا آتا تھا۔

جب کالج بن رہا تھا۔ حضرت میاں ناصر احمد صاحب سائیکل پر سوار آتے۔ جلدی جلدی کھانا کھاتے اور کالج پہنچ جاتے تاکہ کام کی نگرانی میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔ ہمیں ایک دو بار انہیں دیکھنے کا موقع ملا۔ خاموشی سے آتے دال روٹی جو کچھ میسر ہوتی کھاتے اور یہ جا وہ جا۔ ایسا ہی جلسہ سالانہ کے موقع پر ہم نے موجودہ امام ہمام کو دیکھا۔ تنور پر بیٹھے ہیں تازہ تازہ روٹی اترتی دیکھ رہے ہیں۔ ایک روٹی کھا رہے ہیں سالن کی پروا نہیں۔ اگر کسی نے سالن سامنے رکھ دیا تو لقمہ اس میں ڈبو لیا ورنہ سادہ روٹی کھا کے چلتے ہوئے۔

دار الضیافت نئی عمارت میں منتقل ہوا تو مرزا معظم بیگ صاحب اس کے انچارج بنے۔ یہ بزرگ ربوہ کے ماحول کے نہیں تھے۔ باہر سے تشریف لائے تھے۔ اسی لئے شاید زیادہ دیر تک ٹکے نہیں۔ اب تو منور جاوید صاحب نے خوب کام سنبھال لیا ہے حالانکہ مغلپورہ میں ریلوے ورکشاپ موجود ہے لنگر خانہ کی ٹریننگ کا کوئی بندوبست نہیں۔ پتہ نہیں کہاں سے اتنا تجربہ لے آئے کہ اس عالمی لنگر کو بڑی خوبی سے چلا رہے ہیں۔ خادم تھے تو گنج مغلپورہ کی مجلس کی وجہ سے معروف تھے۔ ہم سمجھا کرتے تھے گنج مغلپورہ میں رہتے ہیں ضرور گنجے ہوں گے مگر یہ تو گنج گرانمایہ نکلے!

بات اب عام آدمیوں سے نکل کر گنج ہائے گرانمایہ تک پہنچنے لگی اس لئے ہمیں رک جانا چاہئے۔ ابھی تک تو لوگ ہمارے مضمونوں کو دلچسپی سے پڑھتے ہیں اس لئے لکھے دیتے ہیں۔ کل کیا جانیئے کیا ہو۔

امیر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے
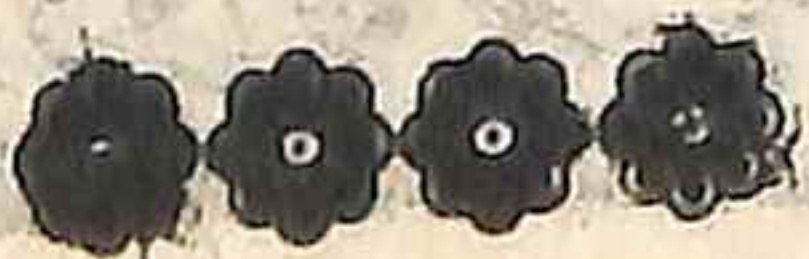
جملہ ارکان مجلس خدام الاحمدیہ وحدت کالونی لاہور
امیر جماعتِ احمدیہ یو۔کے محترم آفتاب احمد خان
صاحب کی المناک وفات پر اپنے پیارے امام
حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ
بنصرہ العزیز اور مرحوم کے پسماندگان سے
دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں
کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ
مقام عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین

قائد مجلس خدام الاحمدیہ
وحدت کالونی۔ لاہور

شعرائے احمدیت

آفتاب احمد صاحب بسمل

(تحریر: مکرم سلیم شاہجہانپوری صاحب)

آفتاب احمد نام، بسمل تخلص، آپ محمد عالم خان صاحب (مرحوم) راولپنڈی کے فرزند اکبر ہیں۔ جن کا انتقال 1931ء میں ہوا۔ بسمل صاحب 1919ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے لیکن قیام زیادہ تر لاہور، راولپنڈی اور کراچی میں رہا۔ سولہ سال کی عمر میں شعرو شاعری سے رغبت پیدا ہوئی لیکن کسی استاد کی شاگردی اختیار نہیں کی۔ ابتداء غزل سے ہوئی اور اس دور میں اختر شیرانی کے رنگ تغزل سے متاثر رہے۔ یہ سلسلہ سولہ برس تک جاری رہا۔ بعد ازاں نظم کی طرف رجحان ہوا۔ اور اس صنف میں جوش ملیح آبادی کا اسلوب بیان مد نظر رہا۔ جس کا اثر ان کی متعدد منظومات سے نمایاں ہے۔ بالآخر مذہبی رجحان تمام دیگر میلانات پر غالب ہونا شروع ہوا اور آپ نے قومی ملی اور اصلاحی کلام کی طرف اپنی تمام تر توجہ مبذول کر دی جس کے نتیجہ میں گزشتہ پندرہ سولہ سال سے آپ کی تمام منظومات پر قومی و مذہبی رنگ غالب ہے۔ آپ نے اس عرصہ میں حمد و نعت کے علاوہ سلسلہ احمدیہ کے متعلق واقعاتی نظمیں بھی کثرت سے لکھی ہیں اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔

آپ کو قدرت نے ایک درمند دل عطا فرمایا ہے جو ہر غیر معمولی واقعہ سے متاثر ہو کر اپنے جذبات کا اظہار اشعار کی صورت یا منظومات کے روپ میں کرتا رہتا ہے۔ اب غزل لکھنے کا اتفاق شاذ کے طور پر ہوتا ہے لیکن آپ کا خامہ حقیقت رقم آپ کے پاک جذبات کا اظہار مذہبی رنگ رکھنے والی واقعاتی نظموں میں اکثر کرتا رہتا ہے۔

آپ تقسیم ملک سے قبل آل انڈیا ریڈیو دہلی، کراچی اور پشاور میں مترجم کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ 1948ء میں پاکستان آ گئے۔

آپ بجا طور پر اس بات کے مستحق ہیں کہ سب سے پہلا اعلان جو پاکستان براڈ کاسٹنگ سروس کے ریڈیو اسٹیشن پشاور سے 13 اور 14 اگست 1947ء کی درمیان شب بارہ بجکر ایک منٹ پر ہوا وہ اناؤنسر کی حیثیت سے بسمل صاحب نے کیا۔ علاوہ ازیں ریڈیو پاکستان کراچی کے افتتاح کے موقع پر بھی سب سے پہلا اعلان جو "تیرے نام سے ابتداء ہو رہی ہے" کے متبرک عنوان سے ہوا بسمل صاحب ہی اس کے اناؤنسر تھے۔ ریڈیو پاکستان کراچی میں ڈیڑھ سال تک اناؤنسر کی حیثیت سے خدمات انجام دینے کے بعد آپ خبروں کے شعبے سے منسلک ہو گئے اور ریٹائرمنٹ تک یہ خدمات احسن طریق پر بجالاتے رہے۔

آپ شائستہ مزاج، نفیس طبع اور نرم خو طبیعت کے مالک ہیں اور یہی اوصاف آپ کی شاعری کے آئینہ میں بھی بتمام و کمال جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ آج کل آپ امریکہ میں مقیم ہیں۔

نمونہ کلام

نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

شاہ جہاں و فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
ہادی برحق نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم
باعث تخلیق دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
رحمت کامل خلق مجسم صلی اللہ علیہ وسلم
دونوں جہاں میں آپ معظم صلی اللہ علیہ وسلم
آپ موخر آپ مقدم صلی اللہ علیہ وسلم

شافع محشر، مالک کوثر نبیوں کے سرتاج پیغمبر
رہبر کامل ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم
تن میرا آپ پہ قرباں آپ کی طاعت میرا ایماں
میرے لبوں پر جاری ہر دم صلی اللہ علیہ وسلم
بسمل آپ پہ دل سے فدا ہے ورد زباں یہ صبح و مسا ہے
صلی اللہ علیہ وسلم، صلی اللہ علیہ وسلم

غزلیات

آج بھی ان سے وہی ربط نہاں ہے کہ جو تھا
دل اسیر خم گیسوئے بتاں ہے کہ جو تھا
مضطرب دل میں وہی ایک کسک ہے کہ جو تھی
آج بھی سر پہ وہی کوہ گراں ہے کہ جو تھا
ہم پہ ان کی وہی پہلی سی جفا آج بھی ہے
ان پہ ہم کو وہی اگلا سا گماں ہے کہ جو تھا
اب بھی تقدیر کی گردش کا ہے انداز وہی
وہی اسلوب جہاں گذراں ہے کہ جو تھا
ان کی ہر بات سے اب بوئے نفاق آتی ہے
اب وہ اخلاق کا احساس کہاں ہے کہ جو تھا
ترک الفت سے بھی دل کو نہ ہوئی کچھ تسکین
اشک خون آج بھی آنکھوں سے رواں ہے کہ جو تھا
ان سے مل کر بھی مرا سوز دروں کم نہ ہوا
دل مضطر میں وہی درد نہاں ہے کہ جو تھا
شوخی حسن وہی عشق پہ قدغن بھی وہی
یعنی اب بھی وہی دستور جہاں ہے کہ جو تھا

قطعات

جس قدر بھی ہو سکے اے نیک خو
خرچ کر اللہ کے رستے میں تو
صاف ارشاد خداوندی ہے سن
لن تنالوا البر حتی تنفقوا

چاہتے ہو تم کہ پاؤ مدعا
کوششیں اپنی رکھو جاری سدا
ہے دعا بھی اک ضروری شے مگر
لیس للانسان الا ماسعی

بشکریہ "المصلح" کراچی

بقیہ از صفحہ...... 24

جوانی اور بڑھاپے میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جس عمر میں بھی انسان اللہ تعالیٰ کے کام کے لیے کھڑا ہو جائے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کو برکت مل جائے اسی عمر میں وہ کامیابی اور کامرانی حاصل کر سکتا ہے۔ لاہور ہی تھا جس میں میں نے وہ عہد کیا تھا اور یہاں پاس ہی کیلیاں والی سڑک پر وہ جگہ ہے شاید یہاں سے ایک لکیر کھینچی جائے تو وہ جگہ اسی کے محاذ میں واقع ہو گی۔ بہرحال اسی لاہور اور ویسے ہی تاریک حالات میں میں اللہ تعالیٰ سے توفیق چاہتے ہوئے یہ اقرار کرتا ہوں کہ خواہ جماعت کو کوئی بھی دھکا لگے میں اس کے فضل اور اس کے احسان سے کسی اپنے صدمہ یا اپنے دکھ کو اس کام میں حائل نہیں ہونے دوں گا۔ بفضلہ تعالیٰ و بتوفیقہ و بنصرہ جو خدا تعالیٰ نے دین حق اور احمدیت کے قائم کرنے کا میرے سپرد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس عہد کو پورا کرنے کی توفیق دے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے میری تائید فرمائے۔ باوجود اس کے کہ میں اب عمر کے لحاظ سے ساٹھ سال کے قریب ہوں اور ابتلاؤں اور مشکلات نے میری ہڈیوں کو کھوکھلا کر دیا ہے پھر بھی میرے حی و قیوم خدا سے بعید نہیں، امید کرتا ہوں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے میرے مرنے سے پہلے مجھے (دین حق) کی فتح کا دن دکھا دے"

(اشاعت مکرر از خالد فروری 86ء صفحہ 13 تا 16)

ادارہ خالد سے خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

(مینیجر ماہنامہ خالد ربوہ)

تاریخ و سیرت

ابو یوسف یعقوب بن اسحٰق الکندی

فلسفہ، طِبّ، ریاضی اور دیگر کئی علوم کی ماہر نابغۂ روزگار شخصیت

مرسلہ:۔ اے۔ ایچ۔ آسی۔ لاہور

ابو یوسف یعقوب بن اسحق الکندی جو محض ایک ماہر طبیب ہی نہ تھے بلکہ فلسفہ، منطق، ریاضی، علم فلکیات، طبیعیات، کیمیا، نفسیات، سیاسیات، موسیقی، شعر و ادب، صرف و نحو اور دیگر کئی علوم پر مکمل عبور بھی رکھتے تھے۔ الکندی انتہائی باکمال اور **نابغہ** شخصیت تسلیم کئے جاتے ہیں۔ مغربی مفکرین انہیں "فیلسوف عرب" کہتے ہیں اور تمام ماہرین مشرق و مغرب ان کیلئے "تاریخ عالم کا عظیم ترین دانشور" "اپنے زمانے کا علامہ" جیسے القاب استعمال کرتے ہیں۔

آپ کا نام یعقوب اور کنیت ابو یوسف ہے۔ آپ کے والد کا نام اسحق بن الصباح ہے۔ آپ کے نام کے ساتھ "الکندی" اس لیے لگایا جاتا ہے کہ آپ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلے بنو کندہ سے تھا۔ یعقوب الکندی کے آباء و اجداد میں حضرت اشعث بن قیس کا نام آتا ہے جو رسول کریم ﷺ کے صحابی تھے۔ الکندی کے والد محترم اسحق بن الصباح کا شمار محدثین میں ہوتا ہے وہ عباسی خلیفہ مہدی اور ہارون الرشید کے زمانے میں کوفہ کے حاکم تھے۔ بنو کندہ بہت اہم اور معروف قبیلہ تھا اور اسلام کی آمد سے قبل بھی اسے بے حد افضلیت حاصل تھی۔ چنانچہ اس دور میں بھی حضر موت، یمامہ اور بحرین پر بنو کندہ ہی حکمران تھا۔

یعقوب الکندی کے سن پیدائش، سن وفات اور جائے پیدائش میں اختلاف ہے۔ عرب محدثین کے مطابق الکندی 185ھ (801ء) میں پیدا ہوئے اور 252ھ (866ء) میں وفات پائی۔ اس لحاظ سے انہوں نے 67 (ہجری) یا 65 (عیسوی) سال کی عمر پائی۔ الکندی نے ابتدائی اور ثانوی تعلیم بصرہ اور بغداد میں پائی جو اس زمانے میں تعلیم کے بڑے بڑے مراکز تھے۔

الکندی نے اپنی تعلیم کا آغاز بصرہ میں کیا۔ لسانیات اور دینیات کے علوم میں مہارت حاصل کی۔ علم صرف و نحو سیکھا، پھر انہوں نے قرآن مجید حفظ کیا، احادیث رسول ﷺ بھی حفظ کیں۔ ضرورت کے مطابق علوم فقہ کی بھی تکمیل کی۔ اس کے علاوہ الکندی نے بے شمار عربی اشعار یاد کر لیے۔ بلاغت اور فصاحت کے اسرار و رموز سے اچھی طرح واقفیت حاصل کی۔ اس زمانے میں ہر بچے کیلئے ان علوم کا سیکھنا لازمی تھا۔ الکندی کی ایک عادت یہ تھی کہ وہ نمازوں کے بعد مساجد میں منعقد ہونے والی علمی مجلسوں میں زیادہ دیر تک بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے بلکہ زیادہ تر تصانیف رسائل اور علوم عقلیہ و تقلید پر لکھی گئی کتابوں پر توجہ دیتے تھے۔ الکندی نے تحقیق، تصحیح، تشریح، ترجمے اور تنقید کا اسلوب ان ہی کتابوں کے مطالعے سے اخذ کیا۔ الکندی نے لغوی رموز اور دینی امور پر بحث کرنے کی بجائے علم کلام، علم منطق، فلسفیانہ ثقافت، ریاضیات، ماورائیات، اخلاقیات، سیاسیات، کیمیا اور بصریات جیسے موضوعات کی طرف زیادہ توجہ دی۔ ان کی نظر میں یہی وہ علمی گوشے تھے، جو ابھی تک تشنہ تشریح تھے۔

ایک عرصہ تک علم کلام اور علم منطق کی گتھیاں سلجھانے کے بعد الکندی نے فلسفہ کی طرف بھرپور توجہ کی۔ اس کے تمام اصول اور جزئیات میں مہارت حاصل کی۔ اس کے علاوہ الکندی نے طب میں دسترس حاصل کرنے کی غرض سے بقراط اور جالینوس کی طب سے متعلق کتابوں کا مطالعہ کیا۔ الکندی بقراط سے بہت متاثر تھے۔ انہوں نے وہی اسلوب نگارش اختیار کیا جو بقراط کا تھا لیکن اپنی تنقید، تصحیح، تشریح و توضیح کے ذریعہ انہوں نے علم طب کو زیادہ موثر اور جاندار بنا دیا۔

الکندی نے خلافت عباسیہ کا عہد پایا۔ جب خلیفہ ہارون الرشید کا انتقال ہوا تو الکندی کی عمر ۹ برس تھی۔ ہارون الرشید کے بعد مامون الرشید خلیفہ

بنے۔ الکندی نے مامون الرشید کے بعد معتصم باللہ، واثق باللہ، متوکل علی اللہ، مستنصر باللہ اور غالباً معتز باللہ کا دور بھی دیکھا۔ وہ عباسی خلفاء سے بہت قریب رہے۔ لیکن ان کا کمال یہ ہے کہ وہ حکمرانوں سے اس قدر نزدیک رہنے کے باوجود درباری سازشوں اور سیاسی جوڑ توڑ سے بہت دور رہے۔ انہوں نے اپنی تمام عمر علمی تحقیق اور تصنیف و تالیف میں گزاری۔ الکندی کو دربار خلافت میں بڑی عزت حاصل تھی۔ امام بیہقی کے مطابق خلیفہ معتصم باللہ کے ساتھ الکندی کے مستحکم روابطہ تھے۔ الکندی، معتصم باللہ کے بیٹے احمد کے اتالیق تھے۔ اکثر محدثین کے مطابق عباسی خلفاء کے دربار میں علمی، ادبی، ثقافتی، لغوی، صرفی، نحوی، منطقی، کلامی اور فلسفیانہ بحثوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا اور الکندی ان بحثوں میں حصہ لیتے تھے۔ الکندی نے عباسی خلفاء کی فرمائش پر مختلف رسائل بھی مرتب کیے۔ مثلاً مامون الرشید کے لئے الکندی نے "علت اور معلول" کے موضوع پر ایک رسالہ لکھا اور معتصم باللہ کی خواہش پر فلسفہ کے ابتدائی مسائل کے موضوع پر ایک کتاب تحریر کی۔ الکندی نے عام قارئین کی ضرورت کے پیش نظر بھی کئی رسائل تحریر کیے۔ مامون الرشید کے عہد میں الکندی نے اپنی فکری صلاحیتوں کو نہ صرف ارسطو اور افلاطون کے فلسفے کی تشہیر و ترویج پر صرف کیا بلکہ انہوں نے اس فلسفے کو آفاقیت سے ہم کنار کیا۔ متوکل کے عہد میں الکندی کا کتب خانہ کچھ عرصے کے لئے ضبط کر لیا گیا تھا۔ بعد میں انہیں کتابیں واپس مل گئیں لیکن اس کے بعد انہوں نے عباسی حکومت سے وابستہ ہونا پسند نہ کیا۔

الکندی کی یوں تو بہت سی ممتاز حیثیتیں ہیں لیکن انہوں نے بطور خاص فلسفہ میں بہت عظیم خدمات انجام دیں۔ ان کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے فلسفہ سے متعلق یونانی علوم کو عربی زبان میں منتقل کرنے کے ساتھ ساتھ ان علوم میں موجود غلط نظریات، غیر درست عقائد اور ناموزوں توجیہات کی تصحیح کی اور اس کام کو انہوں نے اس قدر جرات اور مہارت سے انجام دیا کہ وہ پورے مشرق و مغرب میں "فیلسوف العرب والاسلام" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ الکندی نے قدیم و جدید فلسفہ کے امتزاج سے اپنا الگ مکتب فکر قائم کیا۔ الکندی خصوصاً ارسطو اور اسکندریہ کے فلسفہ سے بہت متاثر تھے لیکن انہوں نے یونانی علوم کی خرابیوں اور نقائص کو واضح کرنے میں کوئی رعایت نہیں کی۔

الکندی نے فلسفے کو دو طرح پڑھا سیکھا اور عوام الناس تک پہنچایا۔ ایک تو دینی اعتبار سے یونانی، ایرانی اور ہندی فلاسفہ کا مطالعہ کیا، دوسرے ہر طرح کے فلسفے کو صرف اور صرف فلسفہ جان کر پڑھا اور سمجھا۔ الکندی کے نزدیک زندگی بذات خود ایک فلسفہ ہے جس کے دو پہلو ہیں۔ ایک دینی دوسرا دنیاوی، دینی فلسفہ اصول دین، عقائد، توحید و رسالت اور حیات بعد موت سے بحث کرتا ہے۔ دنیاوی فلسفہ سے مراد علم ریاضیات، علم منطق، علم الطبیعیات، علم مابعد الطبیعیات، اخلاق اور سیاسیات ہیں لیکن بالواسطہ یہ علوم بھی انسان کو فکری غذا فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے ایمان کو مضبوطی بھی عطا کرتے ہیں۔

الکندی پہلے مسلمان فلسفی سمجھے جاتے ہیں جنہوں نے یونانی، فارسی، ہندی علوم میں مہارت حاصل کی۔ انہوں نے اسلامی فلسفہ و حکمت اور دینی نظریات و عقائد کا علمی انداز میں دفاع کیا۔ مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے عقیدے کو الکندی نے قرآنی آیات سے ثابت کیا اور انہوں نے اس سلسلے میں قرآنی آیات کے رموز اور اسرار کو نہایت تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ الکندی نے علوم ریاضی کے بارے میں اپنا الگ نقطہ نظر پیش کیا۔ انہوں نے اس کو "فلسفہ ریاضیات" کا نام دیا، کیونکہ ان کے علم کے مطابق ریاضی، علم طبیعیات (فزکس) اور علم مابعد الطبیعیات (میٹافزکس) کے درمیان کا علم ہے۔ الکندی کے ہاں فلسفہ کا ایک سرا علوم ریاضیات سے جڑا ہوا ہے تو دوسرا سرا علم طبیعیات سے منسلک ہے۔ الکندی کہتے ہیں کہ جب تک انسان ریاضیات کی مشکلات کو نہ سمجھ جائے اس وقت تک فلسفہ کو اچھی طرح نہیں جان سکتا۔ الکندی اس سلسلے میں افلاطون سے بہت متاثر ہیں۔ بعد میں فارابی نے الکندی کے ان نظریات کو آگے بڑھایا۔

الکندی نے حساب ہندی پر ایک مقالہ بھی لکھا تھا۔ اس مقالے میں انہوں نے صفر اور حسابی اعداد سے بحث کی ہے۔ اس سے قبل عرب اعداد کی جگہ حروف ہی استعمال کرتے تھے۔

الکندی ہی وہ ماہر فلکیات ہیں جنہوں نے باقاعدہ رسد گاہی نظام کی ابتدا کی۔ علم ہیئت میں الکندی کی پیش رفت سے متاثر ہو کر بعض مغربی مستشرقین نے الکندی کو اپنے عہد کا بطلیموس قرار دیا۔ الکندی نے ایک ایسا رسالہ بھی ترتیب دیا تھا جس میں انہوں نے چاند کی 28 منزلیں بیان کی

ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ چاند 26 دنوں میں کتنی مسافت طے کرتا ہے اور زمین پر اس کا طلوع و غروب کیوں کر ہوتا ہے۔ الکندی نے علم فلکیات پر ایک رسالہ "رسالہ علل القوی لمنسوبہ" کے نام سے مرتب کیا تھا۔ مغربی مستشرقین نے اعتراف کیا ہے کہ اس رسالے میں علم فلکیات سے متعلق بنیادی معلومات موجود ہیں۔ الکندی نے فلکیات کے موضوعات پر جو کتابیں لکھی تھیں ان کی تعداد 40 سے زائد ہے۔ افسوس کہ ان میں سے اکثر کتابیں ضائع ہو چکی ہیں۔

الکندی نے علم کیمیا پر بھی رسائل اور کتب لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک رسالے میں الکندی نے باقاعدہ دلائل سے ثابت کیا ہے کہ جو لوگ سونا اور چاندی بنانے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ جھوٹے ہیں اور عوام کو دھوکا دیتے ہیں۔

الکندی کو طب سے بھی بڑا لگاؤ تھا۔ انہوں نے بقراط کی طبی معلومات پر ایک کتاب تحریر کی تھی۔ الکندی نے طب کے موضوع پر ۲۰ سے زائد کتابیں لکھی تھیں۔ ان کتابوں میں انہوں نے زیادہ تر معدے کی تکالیف' نقرس (گنٹھیا) بخاروں کی اقسام' زہر کی سرایت کے اسباب' بلغم سے پیدا ہونے والے امراض اور اچانک موت کی وجہ پر بحث کی ہے۔ اچانک موت کا سبب ان کے نزدیک حرکت قلب کا بند ہو جانا تھا۔ الکندی نے جذام پر بھی بحث کی ہے اور دماغ کے خلیوں کی ساخت اور اس کے ہر حصے کے مخصوص افعال کا بھی انہوں نے تذکرہ کیا ہے۔

الکندی نے علم الادویہ کے موضوع پر گہرا مطالعہ کیا اور نئی نئی جڑی بوٹیاں تلاش کر کے تجربات کے ذریعہ ان کی خصوصیات اور اثرات معلوم کیے اور ان کی درجہ بندی کی۔ الکندی نے اپنی زمانے میں رائج تمام دواؤں کی صحیح خوراک کا تعین بھی کیا۔ الکندی علاج کیلئے محض دوا پر انحصار نہیں کرتے تھے بلکہ وہ پرہیز و احتیاط پر بھی زور دیتے تھے۔ اس نوعیت کے علاج کو "طب وقائی" کہا جاتا ہے۔ انہوں نے ایک کتاب صرف "طب وقائی" کے موضوع پر لکھی۔ اس کتاب میں انہوں نے غذا کے ذریعہ علاج کا تذکرہ کرتے ہوئے وبا اور امراض کے اسباب سے بھی بحث کی ہے۔ ساتھ ہی صحت کو بحال رکھنے کی تدابیر بھی لکھ دی ہیں اور روز مرہ کے کھانوں میں ضروری اور ناگزیر تبدیلیاں کرنے کی سفارش بھی کی ہے۔

الکندی کا طبعی رجحان اگر فلسفہ کی طرف نہ ہوتا تو شاید وہ آج دنیا کے بہت بڑے طبیب کی حیثیت سے پہچانے جاتے۔

الکندی بہت اعلیٰ ادبی اور شعری ذوق بھی رکھتے تھے۔ تاریخ شعر و ادب پر ان کی گہری نظر تھی۔ وہ ادیبوں اور شاعروں کی دل سے قدر کرتے تھے اور یہ صفت ان کو اپنے والد محترم اسحاق بن الصباح سے ورثے میں ملی تھی۔ مختلف مورخین نے الکندی کی ادبی اور شعری دلچسپیوں کا ذکر کیا ہے اور فن بلاغت کے علاوہ صرف و نحو اور تقطیع اشعار کے بارے میں الکندی کی باریک بینی اور مہارت کا اعتراف کیا ہے۔ الکندی کے چند اشعار بھی نقل کیے گئے ہیں جنہیں پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ ہم فلسفے کو شعر کی زبان میں سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

عربوں میں موسیقی کی ابتدا "حدی خوانی" سے ہوئی یعنی ایسے نغمات یا بول جن کی لے پر اونٹ مست ہو کر تیز تیز چلتے ہیں اور راستہ جلد طے ہو جاتا ہے۔ الکندی نے اپنے علم کے مطابق عربی موسیقی میں نئے نغمات' دھن اور لحن کا اضافہ کیا۔ وہ یونانی موسیقی کے بھی دلدادہ تھے لیکن انہوں نے عربوں کی موسیقی کو کمزور نہیں ہونے دیا بلکہ اسے اور نکھار دیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے یونانی' فارسی (ایرانی) روسی اور ہندوستانی اسالیب نغمہ و سرود سے بھی مدد لی۔

الکندی نے مختلف علوم فنون پر جو کتابیں لکھی ہیں۔ ان کی تعداد تقریباً 242 بنتی ہے۔ ان کی تصانیف میں سے بہت کم عربی زبان میں محفوظ رہ سکی ہیں البتہ لاطینی زبان میں ان کی کتاب کے تراجم خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ ذیل میں ہم الکندی کی کتابوں اور ان کے موضوعات کا سرسری سا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

فلسفہ ۲۲' منطق ۹' حساب ۱۱' اجرام فلکی گول ہیں ۸' موسیقی ۷' نجوم ۱۹' انجینئرنگ ۲۳' فلکیات ۱۶' طب ۲۲' صناعت الاحکام ۱۰' علوم جدلیہ ۱۷' علوم سیاسات ۱۲' علم نفسیات ۵' حدث (بحث علت و معلول) ۱۴' علم المسافات ۸' اسرار معرفت ۵' علم طبیعیات ۳۴

عمر فاروق الطباع نے اپنی کتاب "الکندی فیلسوف العرب و الاسلام" میں ان 242 کتابوں کے باقاعدہ نام بھی دیئے ہیں۔ حسام الالوسی کی تحقیق کے مطابق الکندی کی 38 تالیفات دستبرد زمانہ سے بچ گئی ہیں۔ کچھ مخطوطے ہیں جو سات مقالات پر مشتمل ہیں۔

الکندی کی اہم ترین کتب جو طبع ہو چکی ہیں ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ کتاب الکندی فی الفلسفہ الاولی' اور رسالہ فی النفس۔ ۲۔ کتب الکندی الموسیقیہ ۳۔ رسائل الکندی ۴۔ رسالہ الکندی فی السیوف ۵۔ رسالہ الکندی فی کمیت کتب ارسطاطالیس ۶۔ اربع رسائل الکندی ۷۔ رسالہ فی دفع الاحزان ۸۔ رسالہ الکندی فی ملک العرب و کمیتہ ۹۔ کتاب الکندی الحروف ۱۰۔ کیمیاء العطر و التصعیدات

الکندی کے مخطوطات کو محمد لطفی جمعہ نے یوں بیان کیا ہے۔

۱۔ کتاب فی ارسطو او کلام فی الربوبیت

۲۔ رسالہ فی الموسیقی

۳۔ رسالہ فی معرفتہ الادویہ المرکبتہ

۴۔ رسالہ فی المد و الجذر

۵۔ علت اللون اللازوردی۔ (آسمان نیل گوں کیوں نظر آتا ہے)

۶۔ ذات السبعین وہی عبارۃ عن آلہ فلکیہ

۷۔ اختیارات العام

۸۔ مقالہ تحاول السنین۔ یہ سبھی مخطوطے برلن کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ درج ذیل مخطوطے بھی ہیں جنہیں محمد لطفی جمعہ نے بیان نہیں کیا۔

۱۔ رسالہ فی استجابت الدعا' ۲۔ رسالہ فی الشعاعات' ۳۔ رسالہ فی الصناعات الکبری۔

الکندی بہت دھیمے مزاج اور بردبار شخصیت کے حامل تھے۔ ان کے بعض مخالفین ان پر تند و تیز اعتراضات کرتے ان کے خلاف سازشیں کرتے لیکن الکندی ہمیشہ حلم و مروت کا اظہار کرتے اور تلخ ہونے کی بجائے موثر دلیلوں کے ذریعہ مخالفین کے اعتراضات اور الزامات کے جواب دیتے۔ جو لوگ ان پر تنقید کرتے آپ ان کو خوش آمدید کہتے۔ ان کے مخالفین تک ان کا احترام کرتے تھے اور ان کے بے پناہ علم کے معترف تھے۔

ایک بار بلخ کے ایک عالم نے بغداد آکر الکندی کے خلاف سخت تقاریر شروع کر دیں۔ الکندی بہت بااثر اور بااختیار تھے وہ چاہتے تو بلخی عالم کے خلاف کڑی کاروائی کر سکتے تھے لیکن انہوں نے بلخی عالم کو اپنے ہاں کھانے پر بلایا اور بہت عزت کا سلوک کیا۔ کھانے کے بعد الکندی نے مہمان کو سمجھایا کہ مذہب' سائنس اور فلسفہ میں آپس میں کوئی جھگڑا نہیں۔ قرآن کریم بھی عقل سے کام لینے اور تدبر و تفکر پر زور دیتا ہے۔ الکندی نے اس خوش اسلوبی سے بلخی عالم کو سمجھایا کہ وہ الکندی کے گرویدہ ہو گئے بلکہ فلسفہ اور سائنس کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے الکندی کے شاگرد بن گئے۔

الکندی نے عام قارئین کی ضرورت کے پیش نظر یا ان کی فرمائش پر کئی رسائل تحریر کیے۔ ان رسالوں میں وہ مشفقانہ اور ناصحانہ انداز اختیار کرتے تھے۔ گویا کسی کو خط لکھا جا رہا ہو وہ اپنے مخاطب کیلئے دعائیہ کلمات تحریر کرتے تھے اور ان کی دل دہی کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ الکندی کے رسالے "الحیلہ لدفع الاحزان" سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سکینت قلب اور سکون و وقار کو پسند کرتے تھے اور ایسے کاموں سے بچتے تھے جو باعث ملال ہوں۔

قارئین کی خدمت میں عید مبارک

آپ کا خط ملا

(مدیر کے قلم سے)

مختلف مضمون نگار اور قارئین ادارہ خالد کو خط لکھتے ہیں۔ کوئی کاوش بھیجتے ہیں تو اس کی رسیدگی کی اطلاع تو دفتر اشاعت کی طرف سے ان کو واپسی ڈاک کے ذریعہ سے بھیج دی جاتی ہے۔ البتہ ان کے مضامین یا تحریریں شائع ہوں گی یا نہیں یا ان کے خط پر کیا عمل در آمد ہوا' اس کالم میں ان خطوں کا جواب اس اعتبار سے دیا جارہا ہے۔ ہاں ایک بات اور ہے جو احباب جوابی لفافہ یا مکمل پتہ لکھ کر یہ چاہیں کہ ان کو ہم جواب الگ سے بھی ارسال کریں تو وہ اپنے خط میں اس بات کا تذکرہ کریں تو ہم انہیں تفصیلی جواب دینے کی کوشش کریں گے کہ یہ ہمارا اخلاقی فرض بھی بنتا ہے۔

اب ۷ جنوری ۹۷ء تک کی ڈاک کے حوالے سے ذرا باتیں کرلیں۔

☆ فیصل آباد سے مکرم مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں:۔

"دسمبر کا شمارہ ایک دھندلی سی یاد لے کر آیا..... جلسوں کی ہلکی سی یاد ذہن میں محفوظ ہے۔ خالد کا ٹائیٹل اور اداریہ پڑھنے سے پرانے مناظر آنکھوں کے سامنے آگئے.... انور ندیم علوی صاحب کا مضمون اور لائبریری کی افادیت اور اہمیت والا مضمون بہت اچھا تھا۔ ایک تجویز ہے کہ سالنامہ شائع کریں تو کسی خاص موضوع پر نمبر نکالیں....."

مکرم مسعود احمد صاحب آپ کے مضامین اور رسالہ کی پسندیدگی پر بہت بہت شکریہ۔ ہاں نمبر کے بارے میں انشاء اللہ تعالیٰ اس سال مکرم ڈاکٹر عبد السلام صاحب کے متعلق خاص نمبر نکالنے کا ارادہ ہے۔ جلد ہی اس کے متعلق اعلان کر دیا جائے گا۔

آپ نے سپورٹس کے بارے میں جو مضمون بھیجا ہے وہ شائع نہیں ہوسکے گا کیونکہ کچھ تو کافی وقت گزرنے کے بعد ملا ہے اور آپ نے جو پروگرام لکھا ہے پاکستان کا وہ تفصیلی نہیں ہے۔ لہٰذا ایک تو وقت سے کافی پہلے بھیجا کریں اور تفصیل سے پروگرام ہو تو بہتر ہے۔ جزاکم اللہ۔

☆ مکرم قمر احمد صاحب محمود ناظم اشاعت ربوہ نے کچھ مضامین اور منظوم کلام ارسال کیا۔

☆ ایک مضمون تو ہے مکرم بشیر احمد صاحب قمر کا۔ "لغو چیز سے پرہیز کرنا" انشاء اللہ یہ مضمون جلد شائع ہو جائے گا۔

☆ ایک غزل ہے مکرم ملک منیر احمد ریحان صاحب صابر کی۔ اس کے ہم کچھ اشعار یہیں لکھ دیتے ہیں:۔

آئیں گے ایک دن وہ ربوہ میں پھر دوبارہ
عرفاں کی مجلسوں کا دیکھیں گے ہم نظارہ
گونجے گی پھر یہ وادی تکبیر کی صدا سے
اس بات پر قسم ہے پختہ یقیں ہمارا
چھیڑیں گی پھر فضا میں یہ بلبلیں ترانے
آئے گا جب چمن میں وہ باغباں ہمارا

☆ مکرم حفیظ اقبال ساحر کی حمدیہ نظم کے اشعار پیش ہیں:۔

تیرے ذکر ہی سے روشن میری زندگی کا تارا
اسے مل گئی ہے منزل جس نے تجھے پکارا
سدا یوں ہی مجھ پہ یارب تو نگاہ لطف رکھنا
میں غریب و بے اماں ہوں مجھے تھام لو خدارا

☆ مکرم عبد المالک صاحب لاہور نے پڑھنے کے لئے ایک مضمون بھیجا ہے جو کہ امریکہ و کینیڈا کی سیر پر مشتمل واقعات پر مبنی نوائے وقت جمعہ میگزین ۲۹ نومبر ۹۶ء میں شائع ہوا تھا۔ اسی طرح نئے سال کے موقعہ پر مبارکباد اور دعاؤں کا خط لکھا ہے۔ فجزاکم اللہ احسن الجزاء۔

☆ مکرم منصور احمد خان صاحب کراچی سے لکھتے ہیں کہ خالد میں مضمون کے لئے مضمون کتنے صفحات کا ہونا چاہئے اور معلومات کا پوچھا ہے۔

مکرم منصور احمد صاحب! جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ خالد ستمبر ۹۶ء کے صفحہ ۳۲ پر مضمون نگاروں کے لئے بنیادی معلومات اور راہنمائی دی گئی ہے۔ پس ان باتوں کا خیال رکھیں۔ خلاصہ دوبارہ عرض کئے دیتا ہوں کہ:۔

☆ تربیتی، معلوماتی، سیرت و سوانح، سائنس و تفریح وغیرہ کے عناوین پر مشتمل مضامین ہوں۔

☆ مضمون کی مناسبت سے قرآن کریم، آنحضرت ﷺ کے مبارک ارشادات، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء سلسلہ کے فرمودات بھی ضرور QUOTE کریں۔ یہ چیزیں تحریر میں ایک جان اور برکت کا موجب بن جاتی ہیں۔

☆ اگر آپ کسی خاص مہینہ میں وہ مضمون شائع کروانا چاہتے ہیں تو دو تین ماہ قبل وہ ارسال فرمائیں وگرنہ مشکل ہوگا۔

☆ مضمون کے لئے اولین کوشش تو ہمیشہ یہ ہونی چاہئے کہ جامع اور مختصر ہو۔ جتنا مختصر مضمون ہوگا وہ بہتر ہوگا۔ البتہ مضمون کی وسعت اور افادیت کے اعتبار سے صفحات کی تعداد کو معین تو نہیں کیا جاسکتا۔

☆ اور سب سے آخر پر مضمون کا انتخاب کرتے وقت اور لکھتے وقت اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ایک سابق ڈکٹیٹر جنرل ضیاء الحق صاحب' نے ایک بہت بڑی "خدمت" کی تھی کہ پاکستان کے معصوم اور شریف النفس اور باشعور شہریوں پر مبنی ایک خاصی تعداد رکھنے والی جماعت کو حکماً کلمہ پڑھنے' اذانیں دینے' انہیں خدا کے حکم کے مطابق نمازیں پڑھنے کے لئے قائم عبادت گاہوں کو "مسجد" کہنے اور اس طرح کی بے شمار قرآن و حدیث پر مبنی باتوں پر عمل کرنے اور ان کا ذکر کرنے سے ایک آرڈیننس کے ذریعہ روکا ہوا ہے۔

اور بے حسی اور بے اعتنائی کی حد تو یہ ہے کہ ضیاء کے بعد بھی کئی حکومتیں آئیں اور ضیاء کے کم و بیش ہر اقدام کو چیلنج کیا گیا اور اس پابندی کو ختم کیا جو اس نے لگائی لیکن اگر جرات یا ہم تو کہیں گے کہ توفیق نہیں ملی تو اس آرڈیننس کو ختم کرنے کی نہیں ملی جو کہ ایک سراسر ظلم و ستم اور بے انصافی پر مبنی تھا۔

اس لئے ان تمام پابندیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مضمون لکھیں۔ وگرنہ جناب اگر ایسی "خلاف قانون" حرکت ہوگئی تو مضمون نگار سمیت ایڈیٹر' پبلشر و ناشر سب پر مقدمہ دائر ہوگا۔ عدالتوں کے دھکے کھانے پڑیں گے اور تین سال تک جیل کی ہوا بعد میں الگ ہے مع جرمانہ کے۔ لہٰذا تحریر لکھتے وقت یہ سب باتیں سامنے رکھیں۔

☆ محترم محمود مجیب اصغر صاحب کا ایک دو صفحات پر مشتمل مضمون موصول ہوا ہے۔ "سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام" کے موضوع پر۔

☆ مکرم محمد عارف صاحب نے شیزان انٹرنیشنل لاہور سے دسمبر ۹۶ء کے ایک شمارے میں قرآنی آیت میں سے ایک لفظ کے سہواً رہ جانے کی غلطی پر توجہ دلائی ہے۔

عارف صاحب ہم آپ کے ممنون ہیں کہ آپ نے اس غلطی پر توجہ دلائی۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ ہم وہ اقتباس دوبارہ شائع کر رہے ہیں۔

☆ مکرم سید احسن احمد صاحب بھگّہ نے ربوہ سے "لائبریری اور ہم" کے عنوان سے ایک مضمون ارسال کیا ہے جو جلدی کسی شمارہ میں شائع ہوگا۔ انشاء اللہ۔

☆ مکرم حبدار علی صاحب ٹوٹانی لاڑکانہ سے "میرا شہر لاڑکانہ" کا مضمون ارسال کرتے ہیں جو کسی رسالہ میں شائع کر دیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

☆ مکرم طارق بشیر ناصر صاحب کی ایک غزل دفتر الفضل کی معرفت موصول ہوئی۔ اس کے کچھ اشعار ہم قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں:۔

بندگی ہی زندگی کا فلسفہ ہے اصل میں
کھول کر دیکھو ذرا تو زندگانی کی کتاب

ہر عمل میں آدمی کو چاہئے ہے عاجزی
یہ تکبر آدمی کے واسطے ہے اک عذاب

رفتہ رفتہ آدمی کی شام ہوتی ہے یہاں
لمحہ لمحہ ڈوبتا ہے جیسے روشن آفتاب

☆ مکرم مخدوم کاشف حسیب صاحب کا ایک مضمون "انٹرنیٹ" کے حوالے سے کراچی سے موصول ہوا ہے جو کہ انشاء اللہ کسی اشاعت میں شامل کرلیا جائے گا۔

☆ "خوشبو سب کیلئے"۔ مکرم ڈاکٹر نذیر احمد مظہر صاحب احمد نگر ربوہ سے یہ مضمون بھیجتے ہیں۔ یہ خوشبو ہم قارئین تک جلد پہنچانے کا انتظام کریں گے۔ انشاء اللہ۔

☆ "آئینہ"۔ مکرم مبشر احمد صاحب سراء کی تحریر ہے۔ جو ربوہ سے موصول ہوئی ہے۔ قارئین آئندہ کسی شمارے میں اس کو پڑھ سکیں گے۔ انشاء اللہ۔

☆ محترم انور ندیم علوی صاحب نے نواب شاہ سندھ سے دو غزلیں ارسال کی ہیں اور ایک مضمون حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجانپوری کے تعارف پر۔ یہ مضمون تو ہم آئندہ اشاعت کے لئے رکھ لیتے ہیں۔ البتہ ان دونوں غزلوں کے کچھ اشعار اس کالم میں پیش کرکے اس قرض کو چکا رہے ہیں:۔

آنکھ گو روتی رہی آنسو مگر چھلکا نہیں
ہم نے اپنا درد دنیا پر کبھی کھولا نہیں
اس کی خاطر فرش راہ میں کتنی پلکوں کے گلاب
ساڑھے بارہ سال سے جو شخص گھر آیا نہیں

دوسری غزل کے کچھ اشعار:۔

دل سنبھلتا ہی نہیں کیسے سنبھالے کوئی
بیچ منجدھار سے کشتی کو نکالے کوئی
صرف تصویر تکوں ان سے گلے مل نہ سکوں
وصل میں ہجر کی یہ ریت نہ ڈالے کوئی

☆ مکرم سعید احمد مجید صاحب نے جرمنی سے مکرم عبید اللہ علیم صاحب کی شاعری کے حوالے سے ایک مضمون ارسال کیا ہے جو کہ پہلی قسط ہے۔ ہمیں اب دوسری قسط کا انتظار ہے تاکہ ہم عبید اللہ علیم صاحب کے بارے میں اس خوبصورت تحریر کو شائع کر سکیں۔

☆ "ہمارا سورج" یہ مضمون عبد القدوس صاحب نے سول لائن گوجرانوالہ سے بھیجا ہے جو کہ کسی شمارے میں شائع ہو جائے گا۔ انشاء اللہ۔

☆ جنوبی کوریا سے مکرم انعام اللہ خان صاحب نے ایک مضمون "موت کی حقیقت" پر ارسال کیا ہے۔ جس کی رسیدگی کی اطلاع ہی ہم دے سکتے ہیں۔ مزید محنت کرکے اس اٹل حقیقت کو بیان کریں تاکہ اس حقیقت کو بیان کرنے سے جو فوائد حاصل کرنے ضروری ہیں ان کا علم ہوسکے۔ جزاکم اللہ۔

☆ مکرم عبد الرؤوف صاحب ریحان نے "م۔ الف۔ ناصر" کے نام سے اسلام آباد سے ایک غزل ارسال کی ہے۔ گزارش ہے کہ جب تک پورا نام نہ ہو ہم اس طرح کے مضامین اور کلام شائع نہیں کرسکتے۔ براہ کرم مکمل نام اور پتہ لکھ کر بھجوا کریں۔

☆ مکرم عطاء خان ملمی صاحب نے دو مضمون ربوہ سے ارسال کئے ہیں۔ ایک مضمون ہے "انسانی پیدائش کی اصل غرض" جو کہ کسی شمارے میں شائع کیا جاسکتا ہے۔

دوسرے مضمون میں آپ نے علامہ اقبال کی احمدیت اور احمدیت کے بارے میں آراء پر مضمون لکھا ہے۔

عطا صاحب! حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آکر "دین حق" کی وہ خدمت کی ہے اور علم و عمل کے میدان میں اس کو ایسی امتیازی شان عطا کی کہ ہر منصف مزاج شخص اس پر داد تحسین دیئے بغیر رہ ہی نہیں سکتا اور جس نے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے ہاتھ اس بزرگ رسول کے ہاتھ میں دئے تو وہ اپنی اس سعادت مندی کی جزاء پاگیا۔ جس نے آپ کو خراج تحسین پیش کیا اور اس پر قائم رہا اور کسی مذمت اور مخالفت اور لالچ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے الفاظ پر قائم رہا خدا اس کو بھی اجر سے نوازے۔ تو حقیقت تو یہی ہے کہ جس کسی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی نہ کسی رنگ میں تائید کی خواہ علامہ اقبال ہوں یا کوئی اور۔۔۔۔۔۔۔ تو اس کا اجر خدا کے ذمہ۔

سورج کو سورج کہنے سے سورج کی شان میں نہ تو اضافہ ہوتا ہے اور نہ اس کے انکار سے سورج پر کوئی حرف آتا ہے۔ ان حقائق کو تسلیم کرکے اپنے ہی علم و عقل کا ثبوت دیا جاتا ہے وگرنہ ان کی چمک میں تو کوئی کمی نہیں آتی۔ اس طرح یہ لوگ روحانی دنیا کے چاند ستارے ہوتے ہیں جو کہ اس کائنات پر ہمیشہ روشن رہتے ہیں اور روشنی کرتے چلے جاتے ہیں۔ آنکھیں کھولیں تو اس چمک اور نور سے فائدہ اٹھائیں۔ آنکھیں بند کرلیں تو راستوں سے بھٹک کر

ٹھوکریں کھاتے نہ جانے کس گڑھے میں گر جائیں۔

اس لئے ہمیں یہ کوئی ضرورت نہیں کہ علامہ اقبال ہو یا کوئی اور، اس کے بارے میں یہ ضرور ہی ثابت کریں کہ وہ احمدی تھے یا احمدیت کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔ ہاں ایک تاریخی ریکارڈ کی بات کی حد تک درست ہے۔ وگرنہ دراصل ایسی باتیں ثابت ہونے سے کہ اس نے حقیقت حال کا اعتراف کیا دراصل اس کی اپنی ہی شرافت اور منصف مزاجی کا ثبوت ملتا ہے آپ نے اچھی محنت کر کے مضمون لکھا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

☆ مبارک احمد معین صاحب نے نصرت آباد سندھ سے مضمون بھیجا ہے۔ اس کا کچھ حصہ شائع ہو جائے گا۔ جزاکم اللہ۔

☆ ہم نے رسالہ خالد کے ٹائیٹل پیج کو مستقل ڈیزائن کرنے کے لئے ایک اعلان شائع کیا تھا۔ اس ضمن میں خالد محمود صاحب کا اسلام آباد سے اور مظفر احمد ظفر صاحب کا ایبٹ آباد سے خط موصول ہوا ہے۔ جو کہ محفوظ کر لیا گیا ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

ایک دُعا

اَللّٰھُمَّ مَزِّقْھُمْ کُلَّ مُمَزَّقٍ وَسَحِّقْھُمْ تَسْحِیْقًا

اے اللہ انہیں پارہ پارہ کر دے، انہیں پیس کر رکھ دے اور ان کی خاک اُڑا دے

"خوش ہو اور خوشی سے اچھلو"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "مصلح موعود" کی پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ "اے وے لوگو جنہوں نے ظلمت کو دیکھ لیا حیرانی میں مت پڑو بلکہ خوش ہو اور خوشی سے اچھلو کہ اس کے بعد اب روشنی آئیگی" (تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۱۴۷)

اس خوشی کا تعلق اس پیشگوئی کے ساتھ ہے جو مصلح موعود کے ظہور کے ساتھ پوری ہوئی اور 20 فروری کو جماعت احمدیہ اسی پیشگوئی کی اہمیت کو اجاگر کرنے کیلئے اجلاسات کرتی ہے۔ پس اطفال خدام ,اس یوم تشکر کی مناسبت سے جہاں اجلاسات کا انعقاد کریں وہاں "خوشی سے اچھلو" کو پورا کرتے ہوئے اپنے اپنے ہاں کھیلوں کا بھی انعقاد کریں۔ اور اس طرح اپنی روح اور جسم دونوں کو اس خوشی میں شامل کریں۔

ہدایات بابت مضمون نویسی و مقالہ نویسی

شعبہ تعلیم خدام الاحمدیہ پاکستان

شعبہ تعلیم مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان نے خدام میں تحریر اور قلم کا شوق پیدا کرنے اور ان صلاحیتوں کو جلا بخشنے کے لئے دو طرح کے مقابلے جاری کئے ہوئے ہیں۔ ان دونوں کی تفاصیل اور قواعد و ضوابط پیش ہیں۔

مضامین اور مقالہ جات کیلئے اصولی ہدایات

1۔ ہر مضمون اور مقالہ میں قرآن کریم' احادیث' کتب حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اور دیگر کتب کے حوالے درست اور چیک کر کے درج کئے جائیں۔
2۔ جن کتب کا حوالہ دیا جائے ان کے صفحہ نمبر اور مطبع ایڈیشن سن اشاعت وغیرہ (اگر کتاب پر درج ہوں) تو ضرور لکھے جائیں۔
3۔ مضمون اور مقالہ کے اوپر مندرجہ ذیل کوائف درج کئے جائیں۔
نام خادم۔ ولدیت۔ تعلیم۔ عمر۔ پیشہ۔ مجلس۔ ضلع۔ مکمل پتہ فون نمبر۔
4۔ مضمون کاغذ کے ایک طرف صاف صاف لکھا جائے۔ بہتر ہے کہ کالی سیاہی استعمال کی جائے۔ دائیں طرف حاشیہ چھوڑا جائے۔
6۔ صفحات نمبر لگا کر ٹیگ یا سٹیپل کریں۔ 7۔ مقالہ کی جلد بندی ہو سکے تو بہتر ہے ورنہ فائل میں لگا دیں۔
8۔ مناسب مقامات پر سرخیاں اور ذیلی عناوین موٹے قلم سے درج کئے جائیں تو مفید ہوتا ہے۔

2۔ سالانہ مقالہ نویسی

یہ مقابلہ سال میں ایک دفعہ ہوتا ہے۔ امسال اس کا عنوان ہے "حضرت مسیح موعود کی پیشگوئیاں"۔ اس کی آخری تاریخ 31 اگست 97ء ہے۔ اول دوم سوم آنے والے خدام کو سندات امتیاز کے علاوہ علی الترتیب 800' 600' 400 روپے نقد انعام دیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ سات بہترین مقالہ نگاروں کے نام شائع کئے جاتے ہیں اور سندات دی جاتی ہیں۔ اچھے مقالے اشاعت کے لئے بھجوائے جاتے ہیں۔ الفاظ 20 تا 25 ہزار (فل سکیپ 50 تا 60 صفحات) اس مقابلہ میں تمام اضلاع اور شہری مجالس کو ضرور نمائندگی کرنی چاہیے۔

امدادی کتب برائے مقالہ

1۔ قرآن کریم۔ 2۔ احادیث۔ 3۔ کتب حضرت بانی سلسلہ احمدیہ خصوصاً "سراج منیر"۔ "نزول المسیح"۔ "حقیقۃ الوحی"۔ نیز "تذکرہ" اور "مجموعہ اشتہارات"

تفسیر کبیر (حضرت مصلح موعود) خصوصاً جلد 9۔ 10' 4۔ دعوۃ الامیر (حضرت مصلح موعود) 5۔ تاریخ احمدیت کی پہلی تین جلدیں۔ از مولانا دوست محمد صاحب شاہد 6۔ حضرت مسیح موعود کی پیشگوئیاں از حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس 7۔ بٹالوی کا انجام حضرت میر قاسم علی صاحب' 8۔ ڈوئی کا عبرتناک انجام۔ از چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر' 9۔ تفہیمات ربانیہ۔ از حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب' 10۔ احمدیہ تعلیمی پاکٹ۔ از حضرت قاضی محمد نذیر صاحب' 11۔ حیات طیبہ۔ از شیخ عبدالقادر صاحب

عید کی خوشیوں کو دائمی بنائیں

حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عید کیسے منائی جائے

آپ عید کیسے منائیں اس کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے اِس ارشاد کو ضرور مدِّنظر رکھیں ـــــ آپ فرماتے ہیں :-

"غریبوں کے ساتھ عید کرنے سے بہتر دُنیا میں اور کوئی عید نہیں۔ خدا آپ کو غریبوں کی خدمت میں ملے گا۔ ..... یہ ایک ایسا آزمودہ نسخہ ہے جس نے کبھی خطا نہیں کی۔ اپنی عیدوں کو غریبوں کی خدمت سے سجالیں پھر آپ کی عید ایسی ہو گی جو زمینی عید نہیں رہے گی بلکہ آسمان پر بھی یہ عید کے طور پر لکھی جائے گی اور اسکی خوشیاں دائمی ہوں گی اس کی برکتیں دائمی ہوں گی"

(۱۹ر مارچ ۱۹۹۳ء)

پھر فرمایا :-

"مَیں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آج کے دن امراء اپنے غریب بھائیوں کے گھروں میں جائیں اور وہ تحفے جو آپس میں بانٹتے ہیں ان میں غریب بھائیوں کو بھی شامل کریں ..... بچّوں کے لئے جو ٹافیاں اور چاکلیٹ آپ نے رکھے ہوئے تھے وہ لیں اور بچّوں سے کہیں آؤ آج ہم ایک اور قسم کی عید مناتے ہیں ہمارے ساتھ چلو ہم بعض غریبوں کے گھر آج دستک دیں گے ان کو عید مبارک دیں گے ان کے حالات دیکھیں گے اور ان کے ساتھ اپنے سُکھ بانٹیں گے۔ اِس طرح اگر آپ غریب گھروں میں جائیں گے تو مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ بعض لوگ ایسی لذّت پائیں گے کہ ساری زندگی کی لذّتیں ان کو ہیچ نظر آئیں گی اور حقیر دکھائی دیں گی ..... وہ اتنی لذّت پائیں گے کہ دُنیا کے قہقہوں اور مسرّتوں اور ڈھول ڈھمکوں اور بینڈ باجوں میں وہ لذّتیں نہیں ہوں گی۔ ان کو بے انتہاء ابدی لذّتیں حاصل ہوں گی۔ یہ ہے وہ عید جو محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی عید ہے۔ یہ ہے وہ عید جو درحقیقت سچے مذہب کی عید ہے"

(خطبہ عید الفطر ۱۹۸۳ء)

آپ سے درخواست ہے کہ اِن ارشادات کو ہر احمدی تک پہنچائیں اور اس کے مطابق عید منانے کا اہتمام کریں۔

(مُرسلہ: مہتمم خدمتِ خلق)

Monthly Khalid Rabwah
Digitized By Khilafat Library Rabwah
Regd. No. CPL-139 Editor. Sayyed Mubashir Ahmad Ayaz February 1997